مدینۃ المسیح

قادیان ۴ شہادت ۱۳۲۰ ہش۔ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق آٹھ بجے شب کی ڈاکٹری اطلاع مظہر ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضور کی طبیعت اچھی ہے۔ الحمد للہ۔

حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کی طبیعت آج بھی ناساز رہی ہے۔ احباب حضرت ممدوحہ کی صحت کے لئے دعا کریں۔

آج بروز جمعرات سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق احباب نے روزہ رکھا۔ اور دنیا میں امن و صلح اور آشتی کے قیام اور اسلام و احمدیت کی حفاظت اور ترقی کے لئے دعائیں کی گئیں۔

قادیان کے چند ایسے لوگوں نے جو جماعت احمدیہ کے خلاف آئے دن کوئی نہ کوئی فتنہ کھڑا کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ ایک پوسٹر شائع کیا تھا جس میں ۶ اپریل کو جبکہ قادیان میں سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کا جلسہ ہونے والا تھا۔ قادیان میں آل مذاہب کانفرنس کا اعلان کیا تھا۔ مگر آج ڈپٹی کمشنر صاحب گورداسپور کی طرف سے زیر دفعہ ۱۴۴ یہ اعلان کیا گیا ہے۔ کہ ۵/۶ کی درمیانی شب سے ۱۱/۱۲ اپریل کی درمیانی شب تک سوائے جلسہ سیرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے قادیان میں کوئی جلسہ منعقد نہ ہو۔

شان محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

از ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

"آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو جنگ کئے۔ وہ تیرہ برس تک خطرناک دکھ اٹھانے کے بعد کئے۔ اور وہ بھی مدافعت کے طور پر تیرہ برس تک ان کے ہاتھوں سے آپ تکالیف اٹھاتے رہے مسلمان مرد اور عورتیں شہید کی گئیں آخر جب آپ مدینہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں بھی ان ظالموں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ تو خدا تعالیٰ نے مظلوم قوم کو مقابلہ کا حکم دیا۔ اور وہ بھی اس لئے کہ شریروں کی شرارت سے مخلوق کو بچایا جائے اور ایک حق پرست قوم کے لئے راہ کھل جائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کے لئے بدی نہیں چاہی۔ آپ تو رحم مجسم تھے۔ اگر بدی چاہتے۔ تو جب آپ نے پورا تسلط حاصل کر لیا تھا۔ اور شوکت اور غلبہ آپ کو مل گیا تھا۔ تو آپ ان تمام ائمۃ الکفر کو جو ہمیشہ آپ کو دکھ دیتے رہتے تھے۔ قتل کرا دیتے۔ اور اس میں انصاف اور عقل کی رو سے آپ کا پلہ بالکل پاک تھا۔ مگر باوجود اس کے کہ عرف عام کے لحاظ سے اور عقل و انصاف کے لحاظ سے آپ کو حق تھا۔ کہ ان کو قتل کروا دیتے۔ مگر نہیں۔ آپ نے سب کو چھوڑ دیا۔ آجکل جو لوگ غدر کرتے ہیں۔ اور باغی ہوتے ہیں۔ انہیں کون پناہ دے سکتا ہے۔ جب ہندوستان میں غدر ہو گیا تھا۔ اور اس کے بعد انگریزوں نے تسلط عام حاصل کر لیا۔ تو تمام شریر باغی ہلاک کر دیئے گئے۔ اور ان کی یہ سزا بالکل انصاف پر مبنی تھی۔ باغی کے لئے کسی قانون میں رہائی نہیں۔ لیکن یہ آپ ہی کا حوصلہ تھا۔ کہ اس دن آپ نے فرمایا کہ جاؤ۔ تم سب کو بخش دیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نوع انسان سے بہت بڑی ہمدردی تھی۔ ایسی ہمدردی کہ اس کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی۔ اس کے بعد بھی اگر کہا جائے۔ کہ اسلام دوسروں سے ہمدردی کی تعلیم نہیں دیتا تو اس سے بڑھ کر ظلم اور کیا ہوگا"

(الحکم ۲۴ جنوری ۱۹۰۵ء)

ساقی کوثر کے حضور میں

از جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکملؔ

درود و سلام آپ پر بھیجتا ہوں
یہ نذرانہ شام و سحر بھیجتا ہوں

مراد دل تو ہے پہلے ہی نذر ہو لی
اور اب اپنا لخت جگر بھیجتا ہوں

یہ سب مال و دولت ہے تیری بدولت
فدا ہونے کو گھر کا گھر بھیجتا ہوں

تمنائیں ہیں اپنی قربان تم پر
خلوص و عقیدت کا زر بھیجتا ہوں

مرا ہدیہ دل جو واپس ہوا تھا
وہ میں آج بار دگر بھیجتا ہوں

ارادت کی کشتی میں اشکوں کے موتی
حضور شہ بحر و بر بھیجتا ہوں

یہ صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ خزینہ
میں اپنا ہی زاد سفر بھیجتا ہوں

بہ دربار دُر بار شاہِ رسالت
یہ سوغات باچشم تر بھیجتا ہوں

تمہی ہو مرے شافع روزِ محشر
گلستانِ دل کا ثمر بھیجتا ہوں

مطوّل ہے اعمال بد کی کہانی
ندامت مگر مختصر بھیجتا ہوں

یہ نکلی ہوئی قلب سے سرد آہیں
نہ پوچھو نہ پوچھو کدھر بھیجتا ہوں

مرے پاس ہے کیا؟ دلی آرزوئیں
بجز منتِ نامہ بر بھیجتا ہوں

میں معبود کے پاس فریاد اپنی
پئے دفع ہر شور و شر بھیجتا ہوں

زمانے کی گردش سے مجبور ہو کر
شکایاتِ حالِ بتر بھیجتا ہوں

کروں کیا نتیجہ ہے ناکامیوں کا
دلی آرزو در بدر بھیجتا ہوں

اُدھر سے جو ناکامِ الفت رہا ہیں
تمنا و ارماں اِدھر بھیجتا ہوں

یہ سچ ہی رہے گا نہ سمجھو کہ اکملؔ
یونہی نالۂ بے اثر بھیجتا ہوں

اللہ اللہ تری شان مدینے والے

تیرے صدقے تیرے قربان مدینے والے
مری اولاد مری جان مدینے والے

دین و دنیا کے سب انعام ہمیں لوائے
کس قدر ہیں ترے احسان مدینے والے

تیری تعلیم نے مذہب کی حقیقت کھولی
تو نے بخشا ہمیں عرفان مدینے والے

تو نے روحانی و جسمانی ترقی کیلئے
کر دیئے ہیں سبھی سامان مدینے والے

ملتی ہے تیری غلامی میں نبوت ظلی
اللہ اللہ۔ تری شان مدینے والے

قادیاں کا ہے شرف تیری ہی نسبت سے تمام
یہ ہے سب تیرا ہی فیضان مدینے والے

تو ہی دنیا میں ہے اک کامل و اکمل انسان
تجھ پہ نازل ہوا قرآن مدینے والے

کفر و اسلام میں تھی جنگ نتیجہ یہ ہوا
حق نے بخشا تجھے فرقان مدینے والے

دین اسلام ہے بے عیب مکمل جامع
اس کے قائل ہیں سب ادیان مدینے والے

نفع اپنا کرے قربان جو تیری خاطر
اسے ہوتا نہیں نقصان مدینے والے

ہے مسیحا نفسی تیری کہ فرمایا ہے
تو نے ہر درد کا درمان مدینے والے

تیرے اسوہ سے مشرف ہو بطرز احسن
سچے مسلم کی ہے پہچان مدینے والے

تجھ سا ہو شافع مقبول تو پھر کیوں ہوگا
امتی تیرا پریشان مدینے والے

جو بھی آیا تیرے در پر کبھی خالی نہ گیا
مشکلیں میری ہوں آسان مدینے والے

خوش نصیبی ہے یہ اکملؔ کی کہ روز محشر
ہاتھ میں ہو ترا دامان مدینے والے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفضل

قادیان دارالامان مورخہ ۵ - ماہ شہادت ۱۳۲۰ ہش

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک آپ کی دعاؤں کے آئینہ میں

از حضرت مولوی شیر علی صاحب

کوئی شخص خواہ کسی مذہب یا کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو۔ اگر وہ بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات۔ آپؐ کی فطرت۔ آپؐ کے اخلاق۔ آپؐ کے دِلی جذبات۔ آپؐ کے ارادوں۔ آپؐ کی خواہشوں اور امنگوں۔ آپؐ کے طبعی میلان۔ آپؐ کی رُوحانیت۔ آپؐ کے تعلق باللہ اور آپؐ کی صفات کے متعلق صحیح رائے قائم کرنا چاہتا ہو۔ اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہو۔ کہ وُہ کیسے انسان تھے تو اس کے لئے ایک ذریعہ۔ ایک نہایت ہی آسان اور صحیح ذریعہ یہ ہے۔ کہ وُہ آپؐ کی شب و روز کی دُعاؤں اور آپ کی عبادات پر ایک صاف دل کے ساتھ غور کرے۔ آپؐ کی دُعاؤں پر تدبر کرنے سے اس کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ آپ کے دل کی گہرائیوں میں کس قسم کے خیالات موجزن تھے۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی اور اس کی قدرتوں پر آپ کو کیسا ایمان تھا؟ خدا تعالےٰ کا کیسا نقشہ آپ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ یہ دعائیں آپ کے اندرونہ کا ایک طبعی اظہار ہیں جن میں کسی قسم کی بناوٹ یا تصنع نہیں پایا جاتا۔ یہ ایک صاف اور مصفا آئینہ ہیں جن میں ہمیں آپؐ کی صحیح تصویر نظر آتی ہے۔ پس آؤ ہم اس آئینہ میں آپؐ کی تصویر کا مشاہدہ کرنے کی کوشش کریں۔

میں نے اس غرض کے لئے صرف آپؐ کی اُن دُعاؤں کو لیا ہے۔ جو صحیح بخاری کے ایک ہی باب یعنی کتاب الدعوات میں پائی جاتی ہیں ان کے علاوہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اور بہت سی دُعائیں ہیں۔ جو حدیث کی دوسری مستند کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ یا خود صحیح بخاری کے دوسرے حصوں میں موجود ہیں۔ مگر میں نے صحیح بخاری کے صرف ایک باب یعنے کتاب الدعوات پر اکتفا کیا ہے۔ اور ان کی تعداد چنداں زیادہ نہیں۔ اور ان میں سے بھی میں نے صرف چند نمونہ کے طور پر پیش کی ہیں۔

(۱) پہلی دُعا جو میں ناظرین کے سامنے رکھتا ہُوں۔ وُہ آپؐ کی ایک پچھلی رات کی دُعا ہے جو آپؐ بستر سے اُٹھ کر ایسے وقت میں جبکہ تمام دُنیا آرام کی نیند سوئی ہوتی تھی۔ اپنے خدا کو مخاطب کر کے کرتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضؓ جو لڑکپن کے زمانہ میں اپنی خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر اس نیت سے جا کر سو جاتے ہیں۔ کہ وُہ دیکھیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رات کے وقت کس طرح عبادت کرتے تھے۔ فرماتے ہیں۔ کہ آپؐ جب تہجد کے لئے رات کو کھڑے ہوتے تو یوں دُعا کرتے۔ اللّٰھم لک الحمد انت نور السمٰوات والارض ومن فیھن ولک الحمد۔ انت قیم السمٰوات والارض ومن فیھن ولک الحمد۔ انت الحق ووعدک حق وقولک حق ولقاءک حق والجنۃ حق والنار حق والساعۃ حق۔ والنبیون حق ومحمد حق۔ اللّٰھم لک اسلمت وعلیک توکلت وبک اٰمنت والیک انبت۔ وبک خاصمت والیک حاکمت فاغفر لی ما قدمت وما اخرت وما اسررت وما اعلنت انت المقدم وانت المؤخر لا الٰہ الا انت۔

یا اللہ۔ ساری تعریف تیرے ہی لئے ہے تو آسمان اور زمین اور جو اُن کے بیچ میں ہے سب کا نور ہے۔ تیرے ہی لئے ساری تعریف ہے تو ہی آسمانوں اور زمین کا اور جو ان کے بیچ میں ہے۔ اس کا تھامنے والا ہے۔ تیرے ہی لئے ساری تعریف ہے۔ تو سچا۔ تیرا وعدہ سچا اور تیرا فرمودہ سچا۔ تجھ سے ملنا سچ۔ بہشت سچ دوزخ سچ۔ قیامت سچ۔ پیغمبر سب سچے۔ محمد سچے۔ یا اللہ میں نے تیرے حکم پر گردن رکھ دی۔ تجھ ہی پر بھروسہ کیا۔ تجھ پر ایمان لایا تیری ہی طرف رجوع ہُوا۔ تیری ہی مدد پر دُشمنوں سے مقابلہ کیا تیرے ہی سامنے اپنا قضیہ پیش کرتا ہُوں۔ میری اگلی پچھلی چھپی کھلی سب کمزوریاں ڈھانپ دے۔ تو جس کو چاہے۔ آگے کر دے۔ جس کو چاہے پیچھے کر دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

یہ چند الفاظ ہیں۔ جو آپ تنہائی کی حالت میں رات کے اندھیرے میں اپنے خدا کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں پہلے خدا تعالےٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ پھر خدا تعالےٰ کے متعلق۔ اس کے وعدوں کے متعلق۔ خدا تعالےٰ کے سامنے حاضر ہونے کے متعلق۔ بہشت دوزخ قیامت اور تمام انبیاء کے سچا ہونے کے متعلق اپنے یقین اور ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ اور جو بات سب سے زیادہ ایک انسان کے دل پر اثر کرتی ہے۔ وُہ یہ ہے۔ کہ آپ فرماتے ہیں۔ کہ تیرا نبی محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی سچا ہے (فداہ ابی وامی) جیسا آپ دوسرے انبیاء پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ ایسا ہی اپنے اوپر بھی اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ پبلک کے سامنے اس کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے وقت میں اس کا اظہار کرتے ہیں۔ جبکہ آپؐ کے درمیان اور آپ کے خدا کے درمیان اور کوئی تیسرا شخص نہیں۔ کیا آپ کے اس رنگ کے اظہار کے بعد کوئی شخص ایک لمحہ کے لئے بھی شک کر سکتا ہے کہ آپؐ کو اپنے نبی ہونے کے متعلق کسی قسم کا شک و شبہ تھا۔ یقیناً وہ اپنے آپ کو خدا کا سچا نبی یقین کرتے تھے۔ اور اسی طرح آپؐ نے اپنی صداقت پر اپنے ایمان کا اظہار کیا جس طرح دوسرے مومن آپ کی صداقت پر اپنے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ آپؐ کے اس فعل سے خدا تعالےٰ کے کلام کی تصدیق ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اٰمن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون (بقرہ ع ۴۰) یعنے یہ رسول بھی اس پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب کی طرف سے اس کی طرف اتارا گیا اور دُوسرے مومن بھی اس پر ایمان لائے ہیں۔

اسی طرح ناظرین دُعا کے بقیہ حصہ پر بھی غور کریں۔ اور دیکھیں۔ کہ آپ کے ان الفاظ سے آپ کے دلی خیالات پر کیا روشنی پڑتی ہے۔ یہ الفاظ کسی بناوٹ کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ آپ کے دلی خیالات کی صحیح صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔

(۲) پھر آپؐ کی ایک اور دُعا ہمیں حضرت ابن عباسؓ کے ذریعہ ہی پہنچی ہے۔ یہ دُعا بھی آپؐ رات کے پچھلے حصہ میں ہی پڑھا کرتے تھے۔ وُہ دُعا یہ ہے۔ اللّٰھم اجعل فی قلبی نورًا وفی بصری نورًا وفی سمعی نورًا وعن یمینی نورًا وعن یساری نورًا وفوقی نورًا وتحتی نورًا وامامی نورًا وخلفی نورًا وفی عصبی نورًا ولحمی نورًا ودمی نورًا وشعری نورًا وبشری نورًا وفی نفسی نورًا وعظمی نورًا واجعل لی نورًا

یا اللہ میرے دل میں روشنی دے۔ میری آنکھ میں روشنی دے۔ میرے کان میں روشنی۔ میرے دائیں طرف روشنی۔ میری بائیں طرف روشنی۔ میرے اوپر روشنی میرے نیچے روشنی۔ میرے آگے روشنی۔ میرے پیچھے روشنی۔ میرے پٹھے۔ میرے گوشت۔ میرے خون میرے بال۔ میرے چمڑے میں اور میری جان اور میری ہڈی میں روشنی دے اور خود میرے لئے روشنی دے۔

اس دُعا سے جو آپؐ تنہائی کی گھڑیوں میں اپنے خدا سے مانگتے تھے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کو کس چیز کی خواہش تھی۔ آپ نے خدا تعالےٰ سے دولت نہیں مانگی۔ آپ نے بادشاہت نہیں مانگی۔

آپ نے اولاد اور جائداد نہیں مانگی۔ آپ نے اپنے خدا سے کیا مانگا۔ آپ نے نور مانگا۔ ہاں خالص اور پاک نور آپ نے مانگا۔ اور پھر سادہ طور پر نور مانگ کر سیر نہیں ہوئے۔ اور نور کے لئے آپ کی پیاس نہیں بجھی۔ بلکہ آپ نے اپنے سوال کو بڑھایا۔ اور کہا کہ میرے اندر بھی بدن کے ہر ایک ذرہ میں نور ہو۔ اور باہر بھی سب طرف نور ہو۔ نور کے لئے تڑپ ہے۔ اور تڑپ بھی ایسی جو سمجھنے میں نہیں آتی۔

پس ایسا شخص جس کے دل میں نور کے لئے اس قدر تڑپ ہو۔ اور جو اپنے وجود کے ذرہ ذرہ کے لئے اللہ تعالےٰ سے نور مانگے۔ اور مانگتا ہی چلا جائے۔ کس طرح ممکن ہے۔ کہ اس کے وجود کے کسی گوشہ میں کوئی تاریکی اور ظلمت کا شائبہ پایا جاتا ہو۔ یہاں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بھی ایک دعا یاد آئی۔ آپ فرماتے ہیں ؎

اے خداوند من گناہم بخش
سوئے درگاہ خویش راہم بخش
روشنی بخش در دل و جانم
پاک کن از گناہ پنہانم
دلستانی و دلربائی کن
بہ نگاہے گرہ کشائی کن
در دو عالم مرا عزیز توئی
وانچہ مے خواہم از تو نیز توئی

اس دعا میں بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے خدا سے یہی مانگتے ہیں۔ کہ اے میرے خداوند میرے دل و جان میں نور اور روشنی بخش

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم خواب گاہ پر تشریف لے جاتے تو معوذات (سورہ اخلاص فلق اور ناس) پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں پر پھونکتے۔ اور ان کو سارے بدن پر پھیرتے

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ وہ اس کلام کو جس کو وہ دنیا کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اس کو خدا تعالےٰ کا مقدس کلام یقین کرتے تھے۔ اور اس کو نہایت متبرک خیال کرتے تھے۔ تب ہی تو وہ قرآن شریف کی تین آخری سورتوں کو پڑھ کر دونوں ہاتھوں پر پھونکتے تھے۔ اور پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے سارے جسم مبارک پر پھیرتے تھے۔ پس جھوٹے ہیں وہ جو کہتے ہیں۔ کہ آپ قرآن شریف کی آیات کو خود افترا کر کے جھوٹے طور پر دنیا کے سامنے بطور وحی الٰہی کے پیش کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ کہ آپ ہر رات بالالتزام معوذات کو اپنے ہاتھوں پر پھونک کر اپنے ہاتھ اپنے بدن پر پھیرتے تھے۔ اور جب آخری بیماری میں بوجہ شدت بیماری کے آپ ایسا نہیں کر سکتے تھے تو میں خود اپنے ہاتھوں پر معوذات پڑھ کر آپ کے بدن مبارک پر پھیر دیا کرتی تھی۔

(۴) پھر ہم دیکھتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعاؤں سے خدا تعالےٰ کی توحید سبوحیت۔ قدوسیت۔ قدرت عظمت اور ہر حمد کے لائق ہونے پر آپ کا گہرا ایمان ثابت ہوتا ہے۔ اور آپ نہ صرف خود ہمیشہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح۔ تحمید۔ تکبیر اور تہلیل میں مصروف رہتے تھے۔ بلکہ اپنے اتباع کو بھی تلقین کرتے تھے۔ کہ وہ ایسا کریں۔ اور آپ کا اس بات پر ایمان تھا کہ یہ ایسے اعمال ہیں۔ کہ ان سے بڑھ کر انسان کے روحانی مدارج کو بڑھانے والا کوئی عمل نہیں۔ آپ نے بہت سے کلمات اپنے متبعین کو ایسے سکھائے۔ جن میں سوائے خدا تعالےٰ کی توحید کے اقرار کے اور خدا تعالےٰ کی تسبیح۔ تحمید۔ تکبیر اور تمجید کے اور کوئی کلمہ ہی نہیں۔ اور جو دوسری دعائیں آپ خود فرماتے تھے۔ یا اپنے پیرؤوں کو سکھاتے تھے۔ ان دعاؤں کے ساتھ بھی آپ تہلیل۔ تسبیح تحمید اور تکبیر کو شامل کر دیتے تھے۔

مثال کے طور پر میں آپ کے بعض ایسے کلمات نقل کرتا ہوں۔ جن میں آپ نے سوائے توحید کے اقرار یا اللہ تعالےٰ کے پاک قابل ستائش اور ہر ایک بڑائی کے مالک ہونے کے اقرار کے اور کسی بات کو شامل نہیں کیا۔ اور ایسے کلمات کو خلوص دل اور ایمان کے ساتھ دہرانے کو ایک نہایت ہی اعلےٰ درجہ کی عبادت قرار دیا ہے۔ جو انسان کے روحانی مدارج کو بڑھانے کا ایک بے نظیر ذریعہ ہے۔ مثلاً آپ کے یہ پیارے الفاظ پڑھئے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمٰن سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم دو کلمے ہیں جن کا دہرانا زبان کے لئے بالکل آسان اور ہلکا ہے۔ لیکن یہ ہلکے کلمے انسان کے نیک اعمال کے پلڑے کو نہایت بھاری کر دیتے ہیں اور خدا تعالےٰ کو جس کی صفت رحمان ہے نہایت ہی پیارے اور محبوب ہیں۔ وہ دو کلمے یہ ہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم

دیکھو کس پیارے طریق سے آپ نے اپنے اتباع کو ان کلمات کے (صدق دل اور خلوص کے ساتھ) دہرانے کی تحریک فرمائی۔ اور کیسے دلکش الفاظ میں ان کی فضیلت کو واضح فرمایا۔ ایک اور موقعہ پر آپ نے فرمایا۔ کہ جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم (صدق دل سے) سو مرتبہ پڑھتا ہے وہ اپنے تمام گناہوں سے پاک کیا جاتا ہے خواہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کی طرح ہوں

(ب) پھر ایک اور مثال لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہ رض ایک درخواست لیکر حضرت عائشہ کے گھر تشریف لاتی ہیں۔ اور آپ کو گھر میں نہ پاکر حضرت عائشہ کے پاس اپنی درخواست اس غرض سے بیان کرتی ہیں۔ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تشریف لانے پر ان کی درخواست حضور کی خدمت میں پیش کر دیں۔ فرماتی ہیں۔ کہ چکی پیسنے سے میرے ہاتھوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ حضور کی خدمت میں عرض کر دیں۔ کہ وہ مجھے ایک غلام دیں۔ تا مجھے گھر کے کام میں سہولت ہو۔ جب عشا کے وقت حضور گھر تشریف لاتے ہیں تو حضرت عائشہ حضرت فاطمہ رض کا پیغام آپ کو دیتی ہیں۔ آپ اسی وقت اپنی پیاری بیٹی کے گھر تشریف لے جاتے ہیں۔ غلام یعنی جنگی قیدی تو بیت المال کا مال ہیں حضور اپنی بیٹی کو نہیں دے سکتے۔ مگر اس کے عوض میں نہیں اس کا نعم البدل حضور اپنی پیاری بیٹی کو کیا دیتے ہیں حضرت فاطمہ اپنے بستر میں داخل ہو چکی ہیں۔ آپ اس کی چارپائی پر بیٹھ کر فرماتے ہیں۔ الا ادلکما علی ما ھو خیر لکما من خادم۔ اذا اویتما الی فراشکما فکبرا ثلاثا وثلاثین وسبحا ثلاثا وثلاثین واحمدا ثلاثا وثلاثین فھذا خیر لکما من خادم۔ کیا میں تم دونوں (حضرت فاطمہ و حضرت علی) کو ایسی بات نہ بتلاؤں جو تمہارے لئے ایک خدمتگار سے بڑھ کر ہو۔ جب تم اپنے بچھونے پر جانے لگو تو ۳۳ بار اللہ اکبر کہو ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد للہ یہ ایک خدمتگار سے تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

کیا آپ نے یہ کہہ کر صرف اپنی بیٹی کے دل کو بہلایا۔ ہرگز نہیں بلکہ واقعی آپ نے اپنی صاحبزادی اور داماد کو ایک قیمتی چیز دی جو دنیا کی چیزوں اور آراموں سے بدرجہا بہتر تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ اللہ تعالےٰ کی تسبیح اور تحمید اور تکبیر کو ایک بیش بہا کام یقین کرتے تھے۔ اور آپ نے اپنی بیٹی کی فی الواقع ایک نہایت ہی قابل قدر امر کی طرف رہنمائی فرمائی۔

(ج) پھر ایک اور واقعہ کو لیجئے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ آپ اللہ تعالےٰ کی تسبیح۔ تحمید اور تکبیر کو ایک نہایت ہی عظیم الشان عمل سمجھتے تھے۔ جس سے انسان کے روحانی مدارج میں بہت بڑی ترقی ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ غریب مہاجرین نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول ذھب اھل الدثور بالدرجات والنعیم المقیم۔ دولت والے بڑے بڑے درجے اور جنت کی نعمتیں لوٹ لے گئے اور ہم پیچھے رہ گئے۔ آپ نے پوچھا کیف ذالک کس طرح؟ انہوں نے جواب دیا وہ نماز ہماری طرح پڑھتے ہیں۔ جہاد وہ ہماری طرح کرتے ہیں۔ لیکن وہ اپنے مالوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اور ہمارے پاس مال نہیں جس کو خرچ کریں۔ آپ نے فرمایا کیا میں تم کو ایک ایسی بات بتلاؤں جس کی وجہ سے تم ان لوگوں کے برابر ہو جاؤ جو تم سے پہلے ہیں اور ان لوگوں سے آگے بڑھ جاؤ۔ جو بعد میں آنے والے ہیں۔ اور تمہارے جوڑ کا عمل کوئی شخص نہیں لاسکے گا۔ البتہ وہی جو یہ عمل ہو۔ تم ہر نماز کے بعد دس بار سبحان اللہ۔ اور دس بار الحمد للہ اور دس بار اللہ اکبر کہا کرو۔

دیکھو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نظر میں خدا تعالےٰ کی تسبیح۔ تحمید اور تکبیر کس شان کا عمل تھا۔ کہ اور کوئی عمل اس پایہ کا نہ تھا۔ اور انسان کی روحانی ترقی کے لئے ایک نہایت تیز رو سواری کا کام دیتا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی پتہ لگتا ہے۔ کہ آپ کے صحابہ میں نیکی اور پاکیزگی اور روحانی مدارج میں ترقی کرنے کی کس قدر تڑپ تھی۔ یہ تڑپ ان میں کہاں سے پیدا ہوئی۔ یہ آپ کی صحبت کا پاک اثر تھا۔ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ پس وہ کیسا زبردست پاک نفس تھا جس کے ساتھ چھونے سے لوگوں کے اندر ایک پاکیزگی کی روح چلی

تھی۔

(۵) اسی طرح حضرت ابوہریرہ رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر (اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں وہی بادشاہ ہے اور وہی تعریف کے قابل ہے اور وہ ہر ایک بات پر قادر ہے۔) دن میں سو بار کہے تو وہ ایک ایسا عمل کرے گا کہ اس سے بڑھ کر کوئی شخص عمل نہیں کر سکے گا سوائے اس شخص کے جو اس کلمہ کو سو بار سے بھی زیادہ پڑھے۔

(۶) آپ کو اگر کوئی کرب ہوتا تو آپ اپنے کرب کا کیا علاج کرتے اور کس چیز کے ساتھ اپنی گھبراہٹ اور اپنی بے چینی کو دور کرتے۔

حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سختی اور مصیبت کے وقت یوں دعا کرتے۔ لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب السمٰوٰت والارض رب العرش العظیم (اللہ کے سوا جو بڑی عظمت اور بڑے علم والا ہے کوئی سچا معبود نہیں۔ اللہ کے سوا جو آسمان اور زمین اور بڑے تخت کا مالک ہے کوئی سچا خدا نہیں)

پس آپ کے نزدیک اللہ تعالےٰ کی توحید کا اقرار اور اللہ تعالےٰ کی صفات کا اظہار کوئی بے اثر فعل نہ تھا بلکہ اس سے خدا کا فضل اور خدا تعالیٰ کی نصرت جوش میں آتی ہے جو ہر ایک مشکل کو دور کرتی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی یاد ایک ایسی چیز ہے جس سے ہر ایک گھبراہٹ دور ہوتی اور دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ آپ کا خدا تعالیٰ کی باتوں پر ایمان تھا اور خدا کے بیان کئے ہوئے نسخوں سے آپ کام لیتے تھے حضرت عائشہ نے سچ فرمایا کان خلقہ القرآن۔ یعنی اگر کسی نے معلوم کرنا ہو کہ آپ کا عمل کیا تھا تو وہ قرآن پڑھ لے۔ جو کچھ قرآن شریف میں بیان ہوا ہے وہی آپ کا عمل درآمد تھا۔ قرآن شریف گویا آپ کی سیرت کی کتاب ہے

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اتباع کو سمجھایا کہ کوئی شخص اپنے آپ کو پاک خیال نہ کرے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ نماز روزہ کے متعلق جو احکام ہیں ان کو بجا لاتے ہیں اور شریعت میں جن باتوں سے روکا گیا ہے ان سے اپنے خیال کے مطابق پورے طور پر اجتناب کرتے ہیں مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پاک خیال کرنے لگ جاتے ہیں اس طرح ان کے اندر کبر پیدا ہو جاتا ہے اور یہ خود بڑا گناہ ہے۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ دیگر تمام گناہوں سے بچتے ہیں مگر ان کے اندر اگر یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ بڑے نیک ہیں تو یہ خود ایک بڑی بدی ہے کیونکہ ایسا خیال کرنا کبر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال کرنے سے روکا۔ مثلاً حضرت ابو بکر رض کے برابر نیک انسان کوئی دوسرا شخص صحابہ میں نظر نہیں آتا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے بلند درجہ کی شہادت دی ہے لیکن حضرت ابو بکر رض خود فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عرض کیا کہ آپ مجھے کوئی دعا سکھائیں جو میں نماز میں کروں تو آپ نے فرمایا۔ قل اللھم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم۔ آپ نے فرمایا یوں کہا کر یا اللہ میں نے اپنی جان پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کا بخشنے والا تیرے سوا کوئی نہیں تو اپنی خاص مغفرت سے میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر رحم کر بے شک تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ اس حدیث سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ ہمیں کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ ہم گناہوں سے پورے طور پر بچ چکے ہیں بلکہ اپنے خدا کے سامنے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا چاہیئے اور اس سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیئے۔ گناہوں کے احساس کے متعلق حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول نہایت ہی درست ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مومن کو اپنے گناہ کا اتنا ڈر ہوتا ہے۔ جیسے کوئی پہاڑ کے تلے بیٹھا ہو اور وہ پہاڑ اس پر گرنے والا ہو اور بدکار شخص اپنے گناہ کو اتنا ہلکا سمجھتا ہے۔ جیسے [illegible] پر اپنا ہاتھ لگا دیا اور بس۔

(۶) لیکن جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ تعلیم ہے کہ ہمیں اپنے گناہوں کو خفیف نہیں سمجھنا چاہیئے وہاں یہ بھی سکھایا کہ مومن کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیئے آپ نے سکھایا کہ اللہ تعالےٰ انسان سے بہت پیار کرتا ہے اور اگر وہ اپنے گناہوں سے توبہ کر کے خدا تعالےٰ کی طرف جھکتا ہے تو اللہ تعالےٰ اس کی توبہ پر بے حد خوش ہوتا ہے انسان کی توبہ پر اللہ تعالےٰ کس طرح خوش ہوتا ہے اس کو سمجھانے کے لئے آپ نے ایک مثال دی آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندہ کی توبہ پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا وہ شخص خوش ہوتا ہے جو سفر میں ایک مقام پر اترے جہاں کھانا پانی کچھ نہ ملتا ہو۔ ہلاکت کا مقام ہو۔ اس کے ساتھ اس کی اونٹنی بھی ہو جس پر اس کا کھانا پانی لدا ہو پھر وہ تکیہ پر سر رکھ کر سو جائے جب اٹھے تو اونٹنی غائب۔ اس کے ڈھونڈنے کے لئے چاروں طرف پھرے۔ پیاس اور گرمی کی شدت ہو۔ آخر تھک کر مجبور زندگی سے مایوس ہو کر اسی جگہ چلا آئے جہاں پر وہ لیٹا تھا اور موت کا یقین کر کے پھر سو جائے تھوڑی دیر میں آنکھ جو کھلے تو کیا دیکھتا ہے اس کی اونٹنی کھانا پانی لئے ہوئے سامنے کھڑی ہے۔

(۷) پھر آپ نہ صرف خود ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے آدھی رات کے بعد اپنے بستر سے اٹھتے اور وضو کر کے پو پھٹنے تک اپنے محبوب کے آگے کھڑے ہو کر اور رکوع میں اور سجدہ میں دعا اور تسبیح اور تحمید اور تلاوت قرآن میں مصروف رہتے اور اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ آپ کے پاؤں بھی سوج جاتے بلکہ آپ نے اپنے اتباع کو مندرجہ ذیل الفاظ میں ترغیب دی کہ وہ بھی رات کو اٹھ کر اپنے خدا کے آگے سربسجود ہوں آپ نے فرمایا۔ ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقیٰ ثلث اللیل الآخر یقول من یدعونی فاستجیب لہ من یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی فاغفر لہ۔ ہمارا پروردگار تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جب آخر تہائی حصہ رات کا رہ جاتا ہے پہلے آسمان پر اترتا ہے جو ہم سے قریب ہے۔ اور فرماتا ہے کون مجھ سے دعا کرتا ہے میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون مجھ سے کچھ مانگتا ہے میں اس کو دوں۔ کون مجھ سے گناہوں کی معافی چاہتا ہے میں اس کے گناہ بخش دوں۔ ایسا خدا تھا جو آپ نے دنیا کے سامنے پیش کیا اور اسی خدا کے خود بھی عابد بنے اور اپنے پیروؤں کو بھی اس کا پرستار بنایا۔

(۸) آپ کی ہمدردی مخلوق خدا سے

اور جن دعاؤں کا ذکر ہوا ہے ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق باللہ کا کچھ پتہ چلتا ہے۔ اب میں آپ کی بعض ایسی دعائیں بتاتا ہوں جن سے آپ کی اس ہمدردی کا کچھ پتہ لگتا ہے جو آپ کو مخلوق خدا کے ساتھ تھی۔ اول: آپ کی ہمدردی اپنے اتباع سے (۱) حضرت ابوہریرہ رض بیان فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لکل نبی دعوۃ یدعو بھا وارید ان اختبئ دعوتی شفاعۃ لامتی فی الآخرۃ۔ ہر نبی کے لئے ایک خاص دعا ہوتی ہے جو وہ مانگتا ہے اور اللہ تعالےٰ اس کو ضرور قبول کرتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنی اس خاص دعا کو رکھ چھوڑوں اور قیامت کے دن اپنی [illegible] کی سفارش کے لئے کروں۔

یہ آپ کے اتباع کے ساتھ آپ کی ہمدردی کا اعلیٰ نمونہ ہے وہ ایک خاص دعا جس کے متعلق ہر نبی کو حق دیا جاتا ہے کہ وہ اس کو مانگے اور خدا تعالےٰ اس کو قبول کرے گا۔ آپ نے اس کا بہترین استعمال یہ سوچا کہ میں اس کو محفوظ رکھوں اور قیامت کے دن جب حساب و کتاب کا وقت آئے اس وقت میں اپنے اس حق کو استعمال کروں اور اللہ تعالےٰ سے سفارش کروں کہ آپ کے ماننے والوں میں سے جن کے اعمال میں کمی ہے اور وہ اس کمی کی وجہ سے بہشت میں داخل نہیں ہو سکتے اللہ تعالےٰ ان کے گناہوں کو بخش دے۔ اور آپ کی سفارش پر ان کو بہشت میں داخل فرما دے۔ کیا اس سے بڑھ کر آپ اپنے نام لیواؤں کے ساتھ کوئی ہمدردی کر سکتے تھے آپ نے اپنے مخصوص حق کو گناہوں کے بخشوانے اور ان کے لئے جنت حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا۔

آپ نے اپنے اس حق کو اپنی ذات کے لئے استعمال نہیں کیا۔ اور نہ اپنی بیویوں اور اولاد کے لئے استعمال کیا۔ اور نہ اپنے دشمنوں کے شر سے بچنے کے لئے استعمال کیا بلکہ ان کروڑہا انسانوں کے بخشوانے کے لئے استعمال کیا جو قیامت تک آپ پر ایمان لائیں گے خواہ وہ مشرق میں پیدا ہوں یا مغرب میں۔ خواہ ایشیا کے رہنے والے ہوں یا یورپ کے۔ خواہ وہ امریکہ کے باشندے ہوں یا جزائر کے۔

(ب) آپ کے غلاموں میں جو کسی تکلیف میں ہوتا آپ ایسے لوگوں کا نام لے لے کر دعا کرتے۔ مکہ میں آپ کے بعض اتباع کافروں کی قید میں تھے۔ اور سخت تکلیفیں ان کے ہاتھ سے اٹھا رہے تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم عشا کی اخیر رکعت میں جب رکوع سے سر اٹھا کر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ چکتے۔ تو اس وقت آپ یوں دعا فرماتے اللّٰھم انج عیاش ابن ابی ربیعۃ۔ اللّٰھم انج الولید بن الولید۔ اللّٰھم انج سلمۃ بن ھشام اللّٰھم انج المستضعفین من المومنین یا اللہ عیاش ابن ابی ربیعۃ کو کافروں کے پنجے سے چھڑا دے۔ یا اللہ ولید بن ولید کو چھڑا دے۔ یا اللہ سلمہ بن ہشام کو چھڑا دے۔ یا اللہ کمزور مسلمانوں عورتوں اور بچوں کو دشمن کے پنجہ سے چھڑا دے

(ج) آپ اپنے بیمار خدام کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے۔ اور ان کے لئے دعا کرتے۔ آپ کے ساتھ جو لوگ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ میں آئے تھے آپ کو اس بات کی بڑی تڑپ تھی کہ ان کی ہجرت پوری ہو اور اپنے وطن میں ان کی وفات نہ ہو۔ تا جو درجہ انہوں نے ہجرت کرنے سے حاصل کیا اس میں کوئی کمی واقع نہ ہو۔ اور یہی تڑپ آپ کے اتباع مہاجرین میں تھی۔ کہ ان کا خاتمہ مہاجر ہونے کی حالت میں ہی ہو۔ مکہ میں ان کی وفات نہ ہو۔ سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک بیماری کی وجہ سے جس میں مرنے کے قریب ہو گیا تھا۔ میری عیادت کی۔ میں نے عرض کیا اُخَلَّفُ بعد اصحابی یا رسول اللہ کیا میں اپنے ساتھیوں دوسرے مہاجرین سے پیچھے ہو کر مکہ میں رہ جاؤں گا۔ یعنے کیا میرے ساتھی چلے جائیں گے۔ اور میں اسی جگہ مکہ میں ہی فوت ہو جاؤں گا۔ آپ نے جواب دیا انک لن تخلف۔ تو ہرگز پیچھے نہیں رہے گا۔ بلکہ تو اس بیماری سے شفا پا جائے گا۔

پھر اسی لفظ کو دوسرے معنوں میں دہرایا اور فرمایا ولعلک تخلف حتےٰ ینتفع بک اقوام ویضربک آخرون "اور شاید تو پیچھے رہ جائے گا۔ اور بعض قومیں تجھ سے فائدہ اٹھائیں گی اور بعض نقصان" یہاں آپ نے پیچھے رہ جانے کو دوسرے معنوں میں استعمال کیا۔ اور فرمایا کہ۔ ہم گذر جائیں گے اور تو ہمارے بعد زندہ رہے گا۔ اور ایسے کارہائے نمایاں تجھ سے ظاہر ہوں گے۔ کہ بعض قوموں کو تجھ سے فائدہ پہنچیگا اور بعض کو نقصان۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ ایک عجیب پیشگوئی فرمائی۔ اور ایسے وقت میں فرمائی جبکہ حضرت سعدؓ خود اپنی زندگی سے مایوس ہو چکے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ایک ایسی بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا۔ کہ اشفیت منہ علی الموت۔ یعنے موت کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اور اس حالت میں انہوں نے اپنی جائیداد کے متعلق بھی مشورہ پوچھا۔ کہ میرے پاس بہت جائیداد ہے۔ اور میری ایک ہی بیٹی ہے۔ کیا میں اپنی جائیداد کا ⅔ حصہ صدقہ کر دوں۔ مگر آپ نے ایسا کرنے سے اس کو روکا۔ اور زیادہ سے زیادہ ⅓ حصہ کی اجازت دی۔ غرض ایسے وقت میں جب حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کی حالت قریب المرگ ہو چکی تھی۔ آپ نے نہ صرف اس کو یہ خوشخبری سنائی کہ تو شفا پا جائے گا۔ بلکہ آپ نے فرمایا کہ تیرے بعض ساتھی تجھ سے پہلے فوت ہو جائیں گے۔ اور تو ان کے بعد بھی ایک مدت تک زندہ رہے گا۔ اور تیرے ہاتھ سے ایسے کارہائے نمایاں ظاہر ہوں گے۔ کہ بعض قومیں ان سے فائدہ حاصل کریں گی۔ اور بعض نقصان۔ چنانچہ یہ عجیب پیشگوئی پوری ہوئی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ اس بیماری سے شفایاب ہو کر مدینہ میں گئے۔ اور ایک مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہے۔ اور ان کے ہاتھ پر اللہ تعالےٰ نے عراق کی عظیم الشان فتح مسلمانوں کو بخشی۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ پورے ہوئے۔ ینتفع بک اقوام ویضربک آخرون بعض قومیں تجھ سے فائدہ حاصل کریں گی اور بعض نقصان۔

آپ کی یہ پیشگوئی آپ کی صداقت کا ایک نشان ہے۔ اور ایک شخص جو حق کا طالب ہو صرف اسی نشان سے دیکھ سکتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اللہ تعالےٰ کے صادق نبی تھے۔

پھر اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی۔ اللّٰھم امض لاصحابی ھجرتھم ولا تردھم علی اعقابھم لکن البائس سعد بن خولۃ یا اللہ میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے۔ اور ان کو ایڑیوں کے بل الٹا مت پھرا۔ ہاں افسوس ہے تو سعد بن خولہ کا ہے۔ سعد ابن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن خولہ پر افسوس اس وجہ کیا کہ وہ مکہ میں ہی وفات پا گئے تھے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا بھی آپ کی اس حد درجہ کی محبت کو ظاہر کر رہی ہے۔ جو آپ کو اپنے متبعین کے ساتھ تھی اوّل تو آپ کا اس دعا میں اصحاب کا لفظ استعمال کرنا یعنے یہ کہنا کہ امض لاصحابی ھجرتھم (میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے) آپ کی محبت کو واضح کر رہا ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں آپ یہ دعا کرتے ہیں۔ کہ اے خدا یہ لوگ میرے بہت پیارے ہیں۔ اس لئے تو ان کی ہجرت میں کسی قسم کا نقص نہ آنے دے۔ انہوں نے تیری رضا کے لئے اپنے وطن چھوڑے۔ اب ایسا ہو کہ ان کا خاتمہ بھی مہاجر ہونے کی حالت میں ہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ اپنے وطن میں وفات پا جائیں اور اس طرح ان کی ہجرت کی حالت قائم نہ رہے۔ اس دعا میں آپ کی محبت اپنے صحابہ کے ساتھ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے آپ یہ نہیں چاہتے کہ آپ کے مدارج میں ذرا بھی کمی آ جائے۔ ان کا وطن میں وفات پانا آپ کو ایسا نظر آتا ہے کہ جو نیکی کا کام انہوں نے کیا تھا۔ اس سے وہ الٹے پاؤں مڑ جائیں گے۔ اور وہ روحانی منزل جو انہوں نے طے کی تھی وہ گویا منسوخ ہو جائے گی اور وہ اپنی پہلی حالت میں آ جائیں گے۔ اسی لئے آپ فرماتے ہیں ولا تردھم علی اعقابھم (ان کو ایڑیوں کے بل اُلٹا مت پھیر) اور یہی وجہ ہے کہ سعد ابن خولہ کے مکہ میں وفات پانے پر آپ کو اس قدر رنج پہونچا۔

دوسرا نتیجہ جو اس دعا سے نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت ایک سیاسی چال نہیں تھی۔ یعنے یہ غرض نہ تھی جیسا کہ دشمن خیال کرتا ہے۔ کہ باہر جا کر اور اپنا جتھا بنا کر مکہ والوں کا مقابلہ کریں گے۔ اگر ہجرت سے یہی غرض تھی تو وہ غرض تو اب پوری ہو چکی تھی۔ مکہ فتح ہو چکا تھا۔ کیونکہ یہ دعا آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر کی۔ اب اگر مہاجر اپنے وطنوں میں آ کر آباد ہو جاتے تو کوئی حرج کی بات نہ تھی۔ لیکن آپ کی نظر میں تو کسی صحابی کا ہجرت کے بعد مکہ میں آ کر وفات پانا بھی ایک مصیبت نظر آتا ہے۔ اور آپ درد دل کے ساتھ دعا فرماتے ہیں۔ کہ اے خدا تو میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے اور انکو ان کی ایڑیوں کے بل الٹا مت پھرا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی نظر میں یہ ہجرت ایک سیاسی چال نہ تھی۔ بلکہ ایک روحانی منزل تھی۔ جو آپ کے صحابہؓ نے طے کی تھی۔ اور آپ نہیں چاہتے کہ ان کا یہ نیکی کا کام عبث چلا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ سعد ابن خولہ کے مکہ میں وفات پانے سے آپ کو اس قدر صدمہ پہونچا۔ اگر ہجرت ایک سیاسی چال تھی۔ تو پھر فتح مکہ کے بعد مہاجرین کے مکہ میں رہائش اختیار کرنے سے یا وہاں وفات پانے سے ان کی ہجرت عبث نہیں جاتی تھی۔ کیونکہ ہجرت کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔

(د) آپؐ کا رحم مجسم ہونا آپ کی ایک اور دعا سے ظاہر ہے۔ آپ نے فرمایا من اذیتہ فاجعلہ لہ زکاۃ ورحمۃ۔ جس کو میری طرف سے نادانستہ کچھ تکلیف پہنچے تو اے خدا اس کے عوض میں تو اس کو گناہوں سے پاک کر دے۔ اور اس پر اپنی رحمت اُتار۔

دوم۔ آپؐ کی ہمدردی مخالفین سے

دوس قبیلہ کا سردار طفیل بن عمرو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا یارسول اللہ ان دوسا قد عصت وابت۔ یارسول اللہ دوس کے لوگوں نے سرکشی کی ہے۔ اور انکار کیا ہے۔ آپؐ ان کے لئے بد دعا فرمائیے۔ لوگ سمجھے کہ اب آپؐ ان پر بد دعا کریں گے۔ لیکن آپ نے دعا کی اور فرمایا اللّٰھم اھد دوسا وأت بھم یا اللہ دوس والوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس لے آ۔

سبحان اللہ۔ اس قبیلہ کا سردار تو اپنے لوگوں کی سرکشی اور نافرمانی کو دیکھ کر بد دعا کی تحریک کرتا ہے۔ اور لوگ ان حالات کو سن کر اسی بات کے امیدوار ہیں کہ آپ ان لوگوں کے لئے بد دعا ہی کریں گے۔ لیکن آپ دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اور بجائے ہلاکت کے ہدایت اور رحمت کی دعا مانگتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ سچ فرماتا ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعٰلمین (انبیاء ع ۷)

(۹) قبولیت دعا کے چند نمونے

اور پھر وہ دعا جو آپؐ نے دوس قبیلہ کے لئے کی تھی کوئی بناوٹ اور دکھلاوے کی دعا نہیں تھی بلکہ دردِ دل سے نکلی تھی۔ اور اپنا اثر کر گئی۔ اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوس قبیلہ کے لوگ ہاں وہی لوگ جن کی ہلاکت کی دعا کے لئے ان کے سردار نے سفارش کی تھی۔ آخر اسلام میں داخل ہو گئے اور آپ کی دعا کو پورا کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔

(ب) اور یہی موقعہ نہ تھا کہ آپؐ کی دعا اس طرح قبول ہوئی۔ بلکہ بے شمار موقعوں پر آپ کی دعاؤں سے ایسا ہی اثر ظاہر ہوا۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص کا واقعہ تو ابھی بیان ہو چکا ہے۔ آپ نے دعا فرمائی۔ کہ امض لاصحابی ھجرتھم "میرے اصحاب کی ہجرت پوری کر دے" یعنے ایسا نہ ہو کہ ان کی وفات مکہ میں واقع ہو۔ اللہ تعالےٰ نے سعدؓ کے حق میں جو مرنے کے قریب پہنچ گئے تھے آپ کی دعا کو قبول کیا۔ اور سعد شفایاب ہو کر مدینہ پہنچ گئے۔

(ج) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میری والدہ ام سلیمؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یارسول اللہ یہ انس آپ کا خادم ہے (حضرت انسؓ کو بچپن کے زمانہ میں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے دیدیا گیا) یہ سنکر آپ نے حضرت انسؓ کے لئے ان الفاظ میں دعا فرمائی۔

اللّٰھم اکثر مالہ وولدہ وبارک لہ فیما اعطیتہ۔ یا اللہ اس کو بہت مال اور دولت اور اولاد دے۔ اور جو تو اس کو عنایت فرمائے اس میں برکت دے۔

اس دعا کا یہ اثر ہوا کہ انسؓ بڑے مالدار اور صاحب جائیداد ہو گئے۔ تمام صحابہؓ سے زیادہ آپ کی اولاد ہوئی۔ ایک سو بیس بیٹے بیٹیاں ان کے پیدا ہوئیں۔ عمر کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ بعض کے نزدیک آپ نے ۹۹ سال عمر پائی۔ بعض کے نزدیک ۱۰۷۔ بعض کے نزدیک ۱۲۰ برس۔ اور بعض کے نزدیک ۱۳۰ برس۔ تمام صحابہؓ میں سب سے آخری انسان جو اس دنیا سے گذرا وہ حضرت انسؓ ہی تھے۔

(د) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ یارسول اللہ دعا فرمائیے اللہ تعالےٰ ہم پر پانی برسائے۔ آپؐ نے اسی وقت دعا کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فوراً آسمان پر ابر آیا۔ پانی برسنے لگا۔ لوگوں کو گھر تک پہنچنا مشکل ہو گیا۔ اور دوسرے جمعہ تک یکساں بارش ہوتی رہی۔ پھر دوسرے جمعہ میں وہی شخص یا کوئی اور دوسرا شخص کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔ یارسول اللہ اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائیے۔ یہ برسات موقوف کر دے ہم لوگ ڈوب گئے۔ اس وقت آپؐ نے یوں دعا کی۔ یا اللہ ہمارے ارد گرد برسا ہم پر نہ برسا۔ اسی وقت ابر پھٹ کر مدینہ کے گرداگرد ہو گیا۔ اور مدینہ والوں پر بارش موقوف ہو گئی۔

(۱۰) مضمون تو لمبا ہو گیا ہے۔ مگر میں آپ کی ایک چھوٹی سی دعا کے ذکر کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ نے مدینہ کے لئے دعا کی اللّٰھم حبب الینا المدینۃ کما حببت الینا مکۃ او اشد "یا اللہ مدینہ سے ہم کو ایسی محبت دے۔ جیسی تو نے مکہ سے دی ہے۔ یا اس سے بھی زیادہ"

آپؐ کی اس دعا سے آپ کی اس محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ جو آپ کو اپنے وطن سے تھی۔ مکہ میں آپ کو اور آپ کے متبعین کو ۱۳ سال تک طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ یہانتک کہ آپ کے لئے اور آپ کے صحابہؓ کے لئے زندگی محال ہو گئی۔ اور آخر آپ کے قتل کا منصوبہ کیا گیا۔ اور وہاں سے آپ کو بھاگنا پڑا۔ مگر پھر بھی اپنے وطن کی محبت آپ کے دل سے نہیں نکلی۔ اور اسی لئے کہ آپ کا اور آپ کے خدام مہاجرین کا دل مدینہ میں لگ جائے۔ جہاں آپ نے آکر پناہ لی تھی۔ آپ کو دعا کرنی پڑی کہ مدینہ بھی ہمیں ایسا ہی پیارا ہو جائے جیسا کہ مکہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ مکہ سے ہجرت کے وقت بھی آپ نے مکہ کی طرف آخری نظر ڈالی اور حسرت کے الفاظ میں فرمایا "اے مکہ کی بستی تو مجھے سب جگہوں سے زیادہ عزیز ہے مگر تیرے لوگ مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔

اس محبت کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے وطن سے تھی۔ میں نے یہاں اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس سے بھی آپ کی پاکیزہ فطرت کا پتہ لگتا ہے۔

(۱۱) مجموعی نظر

آپ کی دعاؤں پر نظر ڈالنے سے جو مجموعی اثر ایک انسان کے دل پر پڑتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ ہر لحظہ اور ہر آن آپ کی توجہ اپنے خدا کی طرف ہی تھی۔ آپ رات کو سوتے ہوئے بھی اپنے خدا کو یاد کر کے سوتے تھے اور جب جاگتے تھے تو پہلا لفظ جو آپ کی زبان پر جاری ہوتا وہ خدا کا ہی نام ہوتا آپ ہر ایک کام کے وقت خدا تعالےٰ کو یاد کرتے اور اس سے دعا کرتے۔ سفر پر جاتے ہوئے خدا تعالےٰ کو یاد کرتے سواری پر بیٹھتے وقت اپنے خدا کو یاد کرتے۔ سفر میں خدا کو یاد کرتے سفر سے واپسی پر خدا تعالےٰ کو یاد کرتے ہوئے اپنے شہر میں داخل ہوتے۔ آپ کسی بلندی پر نہ چڑھتے مگر آپ اپنے خدا تعالےٰ کی بڑائی کرتے۔ آپ کسی وادی میں نہ اترتے۔ مگر خدا تعالےٰ کی تسبیح کرتے ہوئے کہ وہ ہر ایک نقص اور عیب سے پاک ہے اترتے۔ آپ کھانا کھانے کے وقت خدا تعالےٰ کا نام لے کر دعا کرتے۔ کھانے سے فارغ ہو کر دعا کرتے کپڑا پہنتے ہوئے خدا تعالےٰ کو یاد کرتے۔ غرض کوئی موقعہ اور کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ جبکہ آپ اپنے خدا کی طرف متوجہ نہ ہوتے تھے اور موقعہ کے موافق اس سے دعا نہ کرتے۔ خدا تعالےٰ ہی آپ کے دل میں تھا۔ خدا تعالیٰ کا نام ہی آپ کی زبان پر تھا۔ اور ہر طرف خدا تعالےٰ کی ہی عظمت اور شان آپکو نظر آتی تھی۔ خدا تعالےٰ ہی آپ کو سب چیزوں سے پیارا تھا۔ اور اسکی عظمت دنیا میں قائم کرنے کے لئے آپ نے اپنی ہر ایک کوشش اور ہر ایک طاقت خرچ کر دی خدا کی یاد آپ کی جان تھی۔ آپ نے فرمایا۔ جو خدا تعالےٰ کو یاد کرتا ہے وہ زندہ ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔ آپ خدا تعالیٰ کی مخلوق سے رحم کا سلوک کرتے اور دوسروں کو بھی نرمی کی تلقین فرماتے۔ چند یہود آپ کے پاس آتے ہیں۔ وہ اپنی زبان کو بگاڑ کر بجائے السلام علیکم کے۔ سام علیکم کہتے ہیں جس میں آپکے لئے بد دعا تھی۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں۔ اور جواب دیا علیکم السام واللعنۃ۔ تم ہی پر سام (موت) اور لعنت پڑے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مھلا یا عائشۃ۔ ان اللہ یحب الرفق فی الامر کلہ۔ اے عائشہ نرمی کرو۔ اللہ تعالےٰ ہر کام میں نرمی اور خوش اخلاقی کو پسند کرتا ہے۔

آپ خدا تعالےٰ کا جلال دنیا میں ظاہر کرنے کے لئے آئے۔ آپ جب تک اس دنیا میں رہے اس کام میں مصروف رہے۔ آپ دنیا میں رہتے تھے مگر دنیا سے کوئی رغبت نہ تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حالت صحت میں فرماتے تھے۔ کہ کوئی نبی اس دنیا سے نہیں اٹھایا جاتا جب تک کہ اختیار نہیں دیا جاتا کہ اگر چاہے تو اور دنیا میں رہے پھر جب آپ بیمار ہوئے اور موت آن پہونچی۔ اس وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ آپ ایک گھڑی تک بیہوش رہے اس کے بعد ہوشیار ہوئے تو اپنی نگاہ چھت کی طرف لگائی اور فرمایا اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ۔ اے اللہ میں اپنے

اسلامی جہاد اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے غزوات

از حضرت میر محمد اسحاق صاحب

جہاد کا علمی پہلو

سرور دوجہان صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جہاں اور بہت سے اعتراضات مخالفوں بالخصوص یورپ کے نادان پادریوں نے کئے ہیں۔ وہاں ایک بڑا اعتراض یہ بھی حضور علیہ السلام پر کیا جاتا ہے۔ کہ حضور نے تلوار ہاتھ میں لی اور جہاد وقتال کا دروازہ کھول کر لوگوں کو اپنے دین میں جبر سے داخل کیا۔ یہ اعتراض گو دن بدن خود یورپ کے منصف مزاج محققوں کے قلم سے کمزور ہوتا جارہا ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی آواز باز گشت اب بھی کبھی کبھی متعصب پادریوں کے حلقہ میں سنائی دیتی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ خاتم النبیین نمبر میں اس پر کچھ عرض کیا جائے۔

سو جاننا چاہیئے۔ کہ اس مسئلہ کے دو اہم حصے ہیں۔ ایک یہ کہ جہاد کے متعلق اسلام کی کیا تعلیم ہے؟ دُوسرا یہ کہ اُس تعلیم کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کس طرح عملی جامہ پہنایا ہے؟

پس اگر بعد تحقیق یہ ثابت ہو۔ کہ جہاد کی جو تعلیم اسلام نے دی ہے۔ وُہ قابلِ اعتراض نہیں یا جو طریق حضور نے جنگوں کے متعلق اختیار فرمایا تھا۔ وُہ قابل طعن نہیں۔ تو سارا مسئلہ حل ہوجاتا۔ اور معترض دشمنوں کو شکست ہوجاتی ہے۔ لیکن گو جہاد کی اسلامی تعلیم عدل وانصاف کے خلاف یا حضور علیہ السلام کا عمل اخلاق کے لحاظ سے قابل اعتراض ہے تو یقیناً مسلمانوں کی شکست ہے۔ اور معترض کی سراسر فتح ہے اس لئے ہم ایک ایک کرکے دونوں سوالوں کو لیتے ہیں۔ اور دیکھتے ہیں۔ کہ جہاد کا کونسا پہلو واقعہ میں قابل اعتراض ہے۔ علمی یا عملی؟

پس سب سے پہلے جہاد کے علمی پہلو کو لو۔ کہ اسلام نے اس مسئلہ کو دُنیا کے سامنے کس رنگ میں پیش کیا ہے اس کے لئے ہم قرآن مجید پر جو مسلمانوں کی کتاب ناطق ہے۔ غور کرتے ہیں تو وہاں سب سے پہلی آیت اس بارے میں ہم کو یہ ملتی ہے:-

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔

یعنی دین کے معاملہ میں جبر جائز نہیں کیونکہ دین کا تعلق قلب سے ہے اور قلب کی تسلی دلائل سے ہوتی ہے۔ نہ کہ جبر سے اور اسلام کے لئے جبر کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اسلام کی سچائی دلائل واضحہ اور بینات ناطقہ سے ثابت کی جاسکتی ہے:-

پس اس آیت نے ایک اور ایک دو کی طرح دُنیا کے سامنے یہ اصُول پیش کیا ہے۔ کہ اسلام کے منوانے کے لئے جبر جائز ہی نہیں۔ کیونکہ اسلام دلائل سے اپنا گرویدہ کرسکتا ہے۔ اس کے بعد ہم آگے قدم رکھتے ہیں۔ کہ جب اسلام منوانے کے لئے جہاد وقتال کی ضرورت ہی نہیں۔ تو اسلام میں قتال وجہاد کا وجُود آیا ہی کیوں؟ اور مسلمانوں نے تلوار کو ہاتھ میں لیا ہی کیوں؟

سو اس سوال کو حل کرنے کے لئے ہم کو قرآن مجید کی یہ آیت راہ نمائی کرتی ہے:-

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ۔

یعنی جب اسلام منوانے کے لئے تلوار کی اجازت نہیں۔ تو پھر تلوار پکڑنے کی اجازت کس وجہ سے دی گئی؟ فرمایا ہم نے مسلمانوں کو تلوار پکڑنے کی اجازت دو شرطوں سے دی ہے۔ اول یہ کہ يُقٰتَلُوْنَ یعنی اُن مسلمانوں کو تلوار اُٹھانے کی اجازت ہے۔ جن پر کسی دُشمن نے تلوار اٹھائی ہو۔

دوم یہ کہ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا یعنی مسلمان اُس وقت تلوار اٹھا سکتا ہے جبکہ وُہ مظلوم ہو۔ ورنہ ظالمانہ اقدام میں اس کو تلوار پکڑنے کی اجازت ہی نہیں۔

پس خلاصہ اس آیت کا لفظ يُقٰتَلُوْنَ اور لفظ ظُلِمُوْا ہیں۔ یعنی خدا تعالےٰ نے مسلمانوں کو اُس وقت تلوار چلانے کی اجازت دی۔ جب کفارِ مکہ نے اُن پر حملہ کیا۔ اور حملہ بھی ناحق۔ اور ظالمانہ۔ اب یہ آیت سامنے رکھ کر میں اسلام کے نادان اور تعصب میں ڈوبے ہُوئے معترضوں سے پوچھتا ہُوں۔ کہ کیا اب بھی وُہ اسلامی جہاد پر اعتراض کریں گے؟ جبکہ اس کی حقیقت صرف یہ ہے۔ کہ وُہ اس وقت معرض ظہور میں آتا ہے۔ جبکہ کوئی قوم اس پر حملہ آور ہو۔ اور حملہ بھی ناحق اور ظالمانہ ہو اسلام کے عقلمند مخالفو! اور سمجھدار دشمنو! کیا یہ جہاد عقل کے خلاف ہے؟ کیا یہ فطرت صحیحہ کے مخالف ہے؟ سچ سچ کہو۔ کہ کیا یہ قابل اعتراض ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ کیونکہ مظلوم کو ظالم کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی دُنیا کے ہر مذہب۔ ہر قوم۔ ہر طبقہ۔ ہر خیال اور ہر مزاج کے لوگوں کی طرف سے نہ صرف اجازت بلکہ تاکید۔ اور سخت تاکید ہے۔ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالےٰ نے اس امر کے بیان کے بعد کہ مسلمانوں کو ظالم کے مقابلہ میں مظلومیت کی حالت میں تلوار استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ فرماتا ہے:-

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ

یعنی مسلمانوں کے مظلوم۔ اور کفار مکہ کے ظالم ہونے کا ایک یہ بھی ثبوت ہے کہ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو حالانکہ وُہ تعداد میں کم اور سامان کے لحاظ سے کمزور ہیں کفار مکہ پر۔ حالانکہ وُہ تعداد میں زیادہ اور سامان میں مضبُوط ہیں۔ غالب کردیگا اور خدا تعالےٰ کی یہ عملی تائید صاف صاف فیصلہ کردے گی۔ کہ مکہ والے ظالم اور مدینہ والے مظلوم ہیں۔

سبحان اللہ! کیا عجیب اور واضح دلیل ہے۔ کہ اے لوگو! جو خدا کے وجود کے قائل ہو۔ اور اُسے عادل منصف اور رحیم قرار دیتے ہو۔ اور اُسے عالم الغیب والشہادت یقین کرتے ہو۔ وُہ اپنے علیم وخبیر ہونے کی وجہ سے چونکہ خوب جانتا ہے۔ کہ مکہ والے ظالم اور مسلمان مظلوم ہیں۔ اس لئے وُہ سچ کا حامی اور مظلوم کا مددگار ہوکر ان مٹھی بھر مسلمانوں کو مکہ کا فاتح اور عرب کا حاکم بنادے گا۔ اور اس طرح خدا کی فعلی شہادت ثابت کردے گی۔ کہ کون حق پر ہے۔ اور کون باطل پر۔ اس کے بعد فرمایا:-

اَلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ۔

یعنی وُہ کونسی حالت مظلومیت تھی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو مدافعت کی اجازت دی گئی؟ فرمایا مسلمان بیچارے اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ اپنی بیوی بچوں سے جدا کئے گئے زمینیں اُن سے چھینی گئیں۔ تجارتیں ان کی تباہ کردی گئیں۔ اموال ان کے لوٹ لے گئے لباس تک اتروا کر ایک لنگوٹی بندھوا دی گئی۔ اور صرف مجھ واحد خدا پر ایمان لانے کی وجہ سے ہر قسم کے دکھ تکلیفیں اور ایذائیں ان کو دی گئیں۔ تب میری غیرت نے جوش مارا۔ اور میں نے اُن مٹھی بھر معدُودے چند بے سروسامان مسلمانوں کو اجازت دی کہ اب صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ہے پس تم کو اجازت دیتا ہوں۔ کہ حفاظت خود اختیاری کے طور پر تم تلوار اٹھا سکتے ہو:-

اسی طرح ایک اور آیت میں فرماتا ہے

وَقَاتِلُوا الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

یعنی اے مسلمانو صرف انہیں سے لڑو۔ جو تم سے لڑتے ہیں نیز فرمایا۔

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ

یعنی مسلمانوں نے لڑائی میں کبھی پیشقدمی نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ پہل کافروں کی طرف سے ہوئی ہے۔

مدافعت اور حفاظت خود اختیاری

پس اسلامی جہاد کیا ہے؟ وہ مدافعت اور حفاظت خود اختیاری کا دوسرا نام ہے۔ اور حفاظت خود اختیاری کو کون عقلمند حرام اور نا جائز کہہ سکتا ہے؟ اس کے بعد ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ بہت اچھا ہم نے مان لیا۔ کہ مسلمان اپنا مذہب پھیلانے کے لئے نہیں لڑتے تھے۔ مگر مال غنیمت اور دنیا کی دولت اور سلطنت کے حصول اور حکومت کی رغبت اور وجاہت کی خواہش کے لئے جنگ کرتے ہوں گے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں اس شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔

یعنی صحابہ نے ہرگز ہرگز دنیا کے اموال کی خاطر یا سلطنت کے حصول کے باعث یا دنیوی آرام و تنعمات کے سبب یا عزت و وجاہت کی غرض سے تلوار ہاتھ میں نہیں لی۔ کیونکہ اس کا ثبوت یہ ہے۔ کہ اگر وہ ایسا کرنے والے ہوتے۔ تو جب وہ لڑائیوں میں جیت گئے۔ اور ملک عرب کے حاکم بلکہ قریباً ساری دنیا کے مالک ہو گئے۔ اور چین سے جبر الٹر تک ان کا قبضہ ہو گیا۔ اور قیصر و کسریٰ کے خزانے ان کے ہاتھ میں آ گئے۔ تو چاہیئے تھا۔ کہ وہ خوب عیش و عشرت کرتے۔ شراب و کباب میں لگ جاتے۔ ریشمی کپڑے پہنتے سونے کے زیورات استعمال کرتے۔ مرغن غذائیں کھاتے۔ لہو و لعب میں ڈوب جاتے عجمی بادشاہوں کی طرح دربار لگاتے۔ اور اپنے لئے کورنش مجرا اور زمین بوسی کا حکم جاری کرتے۔ تاج پہنتے اور تخت پر بیٹھتے۔ اور بادشاہ کا لقب اختیار کرتے۔ اور تمول اور امیری سلطنت اور حکومت کے تمام لوازم ان میں آ جاتے مگر ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ صحابہ تو سلطنت کے ملتے ہی اور ساری دنیا کا بادشاہ ہوتے ہی بجائے عیش و عشرت میں پڑنے کے خدا کی تعظیم کے لئے نمازوں میں لگ گئے۔ اور اس کے بندوں پر شفقت کے لئے زکواۃ کی ادائیگی میں مشغول ہو گئے اور خود برے کاموں میں کیا لگتے۔ وہ تو بُرے لوگوں کو اچھی باتوں کے حکم دینے اور بری باتوں سے روکنے میں مصروف ہو گئے۔ اور چونکہ اللہ تعالےٰ ان کے انجام کو جانتا تھا۔ اس لئے اس نے انہیں بڑی بڑی فتوحات دیں اور انہیں ملکوں در ملکوں کا بادشاہ اور سلطنتوں در سلطنتوں کا شہنشاہ بنا دیا۔ تاکہ وہ دنیا پر قابض ہو کر اہل دنیا کی اصلاح اور ان کے اخلاق کی اصلاح ان کے اعمال کی اصلاح اور ان کے عقائد و خیالات کی اصلاح کریں۔ سبحان اللہ

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق فاضلہ

آپ ذرا تاریخ پر نظر ڈالو۔ سب سے پہلا اسلامی بادشاہ خود سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے یہ پاک وجود جس دن مکہ کو فتح کرتا ہے اسی دن سے اس کے اخلاق حمیدہ ظاہر ہونے شروع ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا مظاہرہ جو بادشاہ ہو کر اس نے کیا وہ یہ ہے۔ کہ خدا کے قدیمی گھر کو بتوں سے پاک کر کے اور اس کے اندر بند ہو کر کئی گھنٹے رو رو کر اس مالک حقیقی کے آگے سر جھکا کر اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ اور پھر باہر نکل کر مکہ کے درندوں اور اپنے خونخوار دشمنوں کو جو تیرہ برس تک مکہ میں اور آٹھ برس تک مدینہ میں پیچھا یعنی لگاتار اکیس برس تک مسلمان مردوں کو قتل اور عورتوں کو بے حرمت کرتے رہے۔ نومسلم غلاموں کو گرم ریت اور تپتی زمین پر گھسیٹتے پھرے اور کوئی ظلم یا ذلت نہیں۔ جو ان کے ہاتھوں سے مسلمانوں کو نہ پہونچی ہو۔ مگر حضور نے بادشاہ ہو کر پہلا کام یہ کیا۔ کہ ان سب کو جمع کر کے فرمایا کہ بتاؤ۔ اب تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جاوے۔ وہ بھی حضور کے رمز شناس تھے۔ فوراً بول اٹھے کہ وہی جو یوسف نے اپنے بھائیوں سے کیا تھا۔ یہ سنکر یوسف سے بڑھ کر رحیم و کریم نے بھائیوں سے بڑھ کر ظالم دشمنوں کو ایک آن میں یہ کہہ کر کہ

اذهبوا انتم الطلقاء

سب کو معاف کر دیا۔ پھر جب حضور بادشاہ ہو گئے۔ تو ایک شخص حضور کی مجلس میں کچھ عرض کرنے کے لئے آیا۔ مگر رعب خداداد سے کانپنے لگ گیا۔ اور مونہہ سے بات نہ نکل سکی۔ فرمایا

هَوِّن عليك نفسك

یعنی کیوں گھبراتا ہے۔ میں کوئی نیا تو نہیں بن گیا۔ میں تو وہی ایک بیوہ عورت کا یتیم بچہ ہوں۔ جو غربت کی وجہ سے باسی گوشت بھی کھا لیا کرتی تھی۔ پھر باوجود بادشاہ عرب بلکہ بادشاہ ہر دو عالم ہونے کے لباس وہی جو غربت میں پہنا کرتے تھے۔ بلکہ شائد پیوندوں میں کچھ اضافہ ہی ہو گیا ہو۔ حضور اپنی جوتی کی خود مرمت کر لیتے۔ کسی مجلس میں جاتے۔ اور لوگ تعظیم کے لئے اٹھنے لگتے تو فرماتے۔ کہ بیٹھے رہو کھڑے نہ ہو۔ مدینہ کی گلیوں میں ایک لونڈی بھی راستہ روک کر کھڑی ہو جاتی۔ اور جب تک اپنا سارا قصہ نہ کہہ لیتی۔ حضور وہاں کھڑے رہتے۔ گزارہ کا یہ حال کہ جو آیا وہ غریبوں مسکینوں اور مسلمانوں کو کھلا دیا۔ پس میں نادان معترضوں سے پوچھتا ہوں کہ بتاؤ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تلوار کیوں اٹھائی؟ کیا دین اسلام پھیلانے کے لئے؟ تو یہ تو یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید فرماتا ہے

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

اچھا پھر کیا اس لئے اٹھائی۔ کہ کسی طرح میں ملک کا بادشاہ ہو جاؤں؟ تو بتاؤ کہ بادشاہت کے حصول سے حضور کا مقصد کیا تھا؟ کیا یہ کہ لوگ میری عزت کرنے لگیں۔ مگر یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ جو شخص بادشاہ ہو کر بادشاہ کا معزز لفظ اپنے لئے استعمال نہیں کرتا۔ جو تاج نہیں پہنتا جو تخت پر نہیں بیٹھتا۔ جو ملوکانہ شان و شوکت اختیار نہیں کرتا۔ جب اس کے ساتھی اس کے آنے پر سرو قد کھڑے ہونے لگتے ہیں۔ تو وہ کہہ دیتا ہے۔ کہ مت کھڑے ہو بیٹھے رہو۔ جو شخص اس سے مرعوب ہوتا ہے۔ اسے کہتا ہے کہ مجھ سے کیوں ڈرتا ہے۔ میں تو ایک غریب بیوہ کا بیٹا ہوں۔ جب کوئی اس کی تعریف میں مبالغہ کرنے لگتا ہے۔ تو اس کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ اور وہ سختی سے اسے روک کر کہتا ہے کہ

انما انا عبده ورسوله

یعنی مجھے میری حد سے مت بڑھاؤ۔ میں تو خدا کا ایک عاجز بندہ ہاں اس کا ایلچی ضرور ہوں۔ پس وجاہت اور عزت کا نظریہ تو غلط نکلا۔ اچھا کیا حضور نے اس لئے بادشاہت حاصل کی۔ کہ اس کے ذریعہ حضور عیش و عشرت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اور حکومت سے مقصود آرام و آسائش کا حصول تھا؟ مگر یہ وجہ بھی درست ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو شخص بادشاہ ہو کر لباس میں تبدیلی نہیں کرتا۔ نہ کھانے میں کوئی تغیر و تکلف کرتا ہے۔ نہ زیادہ سوتا اور آرام اختیار کرتا ہے۔ بلکہ دن بھر قومی کام اور رات کو اپنے رب کے حضور کھڑا ہو کر اس کے پیر بھی سوج جاتے ہیں۔ اور جس کی سب سے پیاری بیوی شہادت دیتی ہے۔ کہ حضور کے گھر میں کبھی لگاتار تین دن تک چولہے میں آگ نہیں جلی۔ اور اپنے سالہا سال کے تجربہ سے گواہی دیتی ہے۔ کہ حضور نے کبھی دو وقت لگاتار پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ اور جس کا عینی بیان ہے۔ کہ بعض دفعہ حضور کی نو کی نو بیویوں نے ایک سادہ صرف ایک مہمان کے آنے پر یہ جواب دیا۔

کہ خدا کی قسم آج ہمارے گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں اور پھر جو شخص بھوک کی وجہ سے پیٹ پر دو دو پتھر باندھ لیتا ہو اور خود کہے کہ میں نے اس فانی دنیا میں کیا دل لگانا اور کیا عیش کرنا۔ میری مثال تو اس مسافر کی ہے جو چلتے چلتے عین دوپہر کے وقت تھوڑی سی دیر کے لئے کسی درخت کے نیچے ٹھہر جائے۔ اور پھر وہاں سے چل نکلے۔ ایسا شخص خاک عیش و عشرت کرے گا؟ پس یہ زاویہ نگاہ بھی غلط نکلا۔ کہ حضور نے بادشاہت اس لئے حاصل کی تھی۔ کہ حضور عیش و عشرت کے دلدادہ تھے یا اے نادان معترض کیا حضور نے اس لئے یہ سب تکالیف اٹھائی تھیں۔ کہ بادشاہت ملنے پر اپنی اولاد اور خاندان کے لئے سلطنت کی بنیاد رکھ جاویں اور گو خود آرام نہ اٹھائیں۔ مگر بچوں اور نسل کو آرام پہنچانے کا انتظام تو کر دیں؟ مگر یہ نقطۂ نظر بھی نہایت غلط ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضور وفات پاتے ہیں تو آپ کی جگہ حضرت ابوبکر رضؓ کو بادشاہت ملتی ہے جو حضور کے قبیلہ میں سے بھی نہ تھے۔ ان کے بعد عمر رضؓ اور عمر رضؓ کے بعد عثمان رضؓ غرض اولاد اور بچوں اور نسل اور اپنے قبیلہ کی بہبودی بھی مدنظر نہ تھی ان سب باتوں سے معلوم ہوا۔ کہ حضور نے اپنی بادشاہت سے کوئی دنیوی نفع یا فائدہ حاصل نہ کیا۔ اس لئے یہ بات غلط نکلی۔ کہ تلوار چلانے سے حضور کا مقصد بادشاہت کا حصول تھا پھر حضور کے بعد حضرت ابوبکر رضؓ ان کے بعد عمر رضؓ ان کے بعد عثمان رضؓ اور ان کے بعد حضرت علی رضؓ یہ چار خلفاء راشدین یکے بعد دیگرے آپ کی گدی پر بیٹھے یہ چاروں شخص ملکوں کے بادشاہ اور قوموں کی قسمتوں کے مالک تھے۔ مگر کیا مجال ہے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر کوئی اجنبی ان میں اور ایک غریب سے غریب مسلمان میں کوئی فرق کر سکے۔ قیصر

روم کا سفیر حضرت عمر رضؓ کو مسجد کے کچے فرش پر دوپہر کے وقت اکیلے خاک آلودہ حالت میں سوتا دیکھ کر حیران رہ گیا اور بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا۔ کہ ہمارا بادشاہ ظالم ہے تبھی ہزاروں پہروں اور بے شمار فوجوں میں گھرا رہتا ہے۔ اور پھر اطمینان کی نیند نہیں سو سکتا مگر اے عمر تو عادل و منصف ہے تبھی بے خوف ہو کر اکیلا جہاں چاہے چلا جاتا اور جہاں نیند آئے سو جاتا ہے۔ اللہ اکبر ذرا خیال تو کرو کہ حضرت عمر رضؓ عرب عراق ایران مصر شام اور فلسطین کے بادشاہ ہیں۔ مگر حال یہ ہے کہ آدھی رات کو بیت المال سے آٹے کی ایک بوری اپنی پیٹھ پر لاد کر مدینہ کے باہر اترے ہوئے قبیلہ کی ایک بھوکے بچوں والی بیوہ کے پاس پہنچتے ہیں اور آگ جلا کر انہیں حلوہ پکا اور کھلا کر واپس آتے ہیں۔ یہی حال عثمان غنی اور علی حیدر کرار کا تھا اور سچ مچ یہ لوگ محض فانی تھے خدا کی قسم انہوں نے نہ اپنی وجاہت چاہی اور نہ اپنی عزت بلکہ غلاموں کی طرح کمربستہ ہو کر رعایا کی خدمت کی وجاہت پسندی کا یہ نمونہ کہ جب حضرت عمر رضؓ بیت المقدس کی طرف تشریف لے گئے۔ تو اپنا ایک غلام ہمراہ لیا جو باری باری سے آپ کے اونٹ پر سوار ہوتا اتفاق یہ کہ جب بیت المقدس میں داخلہ کا وقت آیا۔ تو اونٹ پر چڑھنے کی باری اس غلام کی تھی اس وقت رومیوں کے بڑے بڑے حاکم فوجوں کے افسر اور شہروں اور ولایتوں کے والی استقبال کے لئے کھڑے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کا خلیفہ اِن ملکوں کا بادشاہ غلام کو اونٹ پر سوار کرتے اور خود اونٹ کی نکیل پکڑ کر پیدل چلا آرہا ہے اللہ اکبر! اے اسلام کے دشمنو ہاں وہ اس سچے دین کے مخالفو! اور نادان معترضو! یہ تھی اسلامی بادشاہت اور یہ تھے سردار کائنات

صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین پس یہ بات ہی سرے سے غلط ہے کہ اسلامی جہاد اسلام منوانے کے لئے یا دنیا کمانے کے لئے تھا نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ وہ صرف مدافعت اور حفاظت خود اختیاری اور ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے تھا اور حفاظت خود اختیاری کو دنیا کا کون عقلمند ناجائز قرار دے سکتا ہے؟

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جہاد میں عملی نمونہ

دوسرا سوال کہ ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے جہاد میں کیا طریق اختیار کیا؟ تو جاؤ تاریخوں کا مطالعہ کرو اور حدیث کی کتب میں پڑھو وہاں صاف لکھا ہوا پاؤ گے کہ حضور اور حضور کے ساتھیوں نے جب مجبور ہو کر خدا کی اجازت سے ظالم دشمن کے مقابلہ میں تلوار اٹھائی تو صرف مدافعت تک اسے محدود رکھا۔ جب کوئی دشمن میدان جنگ سے بھاگا تو فرمایا جلنے دو پیچھا نہ کرو۔ زخمی دشمنوں کی مرہم پٹی کی۔ قیدیوں سے وہ حسن سلوک کیا کہ جنگ بدر کے قیدی پکار اٹھے کہ مسلمان خود بھوکے رہتے مگر ہمیں کھانے کو دیتے خود پیدل چلتے مگر ہمیں اپنے اونٹوں پر سوار کرتے حضور نے بڑی سختی سے عورتوں اور بچوں کے قتل سے روکا نیز فرمایا کہ دیکھو دشمن کے باغوں کو بے ضرورت نہ کاٹنا کھیتوں کو نہ جلانا کسی شخص کو آگ کا عذاب نہ

دینا دشمنوں کے بوڑھوں اور لڑائی کے ناقابل لوگوں پر وار نہ کرنا راہبوں درویشوں خانقاہوں میں رہنے والوں اور تارک الدنیا لوگوں کو قتل نہ کرنا احد کی جنگ میں ظالموں نے مسلمان شہیدوں کے ناک اور کان کاٹ لئے تھے خود حضور کے سگے چچا حضرت حمزہ رضؓ کے ناک کان کاٹنے کے علاوہ دشمن کی فوج کے افسر کی بیوی نے پیٹ چاک کر کے کلیجہ چبا لیا تھا۔ مگر باوجود انتہائی رنج اور صدمہ کے فرمایا کہ مسلمانو تم نہ اپنے مقتول دشمنوں کے ناک کان کاٹنا غرض سوائے مدافعت کرنے کے حضور یا حضور کے ساتھیوں کی تلوار نے کوئی کام نہیں کیا۔ پس علمی پہلو سے قرآن مجید کے احکام اور عملی پہلو سے حضور علیہ السلام کی زندگی کے واقعات ایک زبان ہو کر کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں نے تلوار تو اٹھائی مگر مجبور ہو کر اور مسلمانوں نے لڑائیاں تو کیں مگر لاچار ہو کر اس لئے اسلامی جہاد اور حضور علیہ السلام کے غزوات پر اعتراض کرنا صرف اس شخص کا کام ہے جو حضور کی بے نظیر کامیابی کو دیکھ کر آتش حسد میں جل گیا ہو ورنہ کون ہے جو عقل و دانش رکھتا ہوا دل کو تعصب سے خالی کر کے پھر میرے آقا کے پاک و مقدس دامن پر کوئی دھبہ بھی دکھا سکے۔ این خیال است و محال است و جنوں۔

غزواتِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

غزوات میں رسول کے ستائیس دوستو
لیجیے سنا رہا ہوں وہ گنوا کے آپ کو

بدر و بنی نضیر سے احد و رجیع میں
بئیر معونہ اور قینقاع و سویق میں

خندق کا غزوہ اور قریظہ سے ناگہاں
ذات الرقاع اور بنی المصطلق بنے ہاں

انمار پھر حدیبیہ ذی الغرد یا وہ ہے
خیبر سے موتہ اور فتح ہے ول انشاد ہے

جنگ حنین کا اور ہے اوطاس و غلفہ بھی
طائف میں اور ذات سلاسل تبوک کی

اکمل نے چار شعروں میں سب نام لکھ دیئے
اور طالبانِ علم نے یہ یاد کر لئے

غیر مذاہب کی عبادت گاہوں اور راہبوں

کے متعلق

رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے احکام

رقم زدہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب

مذہبی رواداری کا زرّین اصُول

حضرت رسول پاک محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وجود مبارک دُنیا جہان کے تمام انسانوں۔ جانداروں بلکہ حیوانات و اشجار کے واسطے بھی موجب رحمت برکت اور راحت تھا۔ آپ ایک ایسا دین لائے جو انسان کو خدا کے ساتھ ملا کر انسان کی پیدائش اور ہستی کے مقصد کو پورا کر دیتا ہے۔ آپ کی یہ دلی خواہش اور کوشش تھی۔ کہ سب لوگ اس پاک دین کو قبول کریں۔ مگر اس مقصد کے حاصل کرنے کے واسطے نہ کبھی آپ نے جبر کیا۔ اور نہ کبھی جبر کی اجازت دی۔ بلکہ قرآن شریف کا یہ زریں اصُول دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ کہ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی مذہب کے معاملہ میں کوئی جبر اور زبردستی نہیں۔ ہدایت اور گمراہی کی باتیں سب کھول کر بیان کر دی گئی ہیں۔ جو راہ کسی کو پسند آتی ہے۔ وہ اُس کو اختیار کرے؛

دُوسرا زرین اصُول

قرآن شریف کا یہ تاکیدی حکم ہے۔ کہ تمام قوموں کے ساتھ خواہ وُہ ہمارے موافق ہوں۔ یا ہمارے مخالف ہوں۔ عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے۔ چنانچہ فرمایا۔ یا ایہا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علےٰ الا تعدلوا اعدلوا۔ ہو اقرب للتقوےٰ واتقوا اللہ۔ ان اللہ خبیر بما تعملون۔ اے مسلمانو! تم اللہ تعالےٰ کی خاطر دُنیا میں نیکی اور عدل کے قائم کرنے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اور چاہیئے کہ کسی قوم کی مخالفت تمہیں عدل و انصاف کے راستے سے نہ ہٹائے۔ بلکہ تم سب کے ساتھ عدل کا معاملہ کرو۔ کیونکہ یہی طریق تقوےٰ کا تقاضا ہے۔ پس تم متقی بنو۔ اور یاد رکھو۔ کہ اللہ تعالےٰ تمہارے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے؛

ہر دو مذکورہ بالا آیات غیر حکومتوں اور غیر قوموں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کے مسئلہ کے لئے بطور بنیادی پتھر کے ہیں۔ کیونکہ ان میں وہ اصول بتلائے گئے ہیں۔ جن پر بین الاقوام اور بین الدول تعلقات قائم ہونے چاہیں اور غور کیا جائے۔ تو یہ اصول ایسے زرّین ہیں۔ کہ اگر فریقین کی طرف سے ان پر پورا پورا عمل ہو۔ تو نہ صرف یہ کہ بین الاقوام تعلقات کبھی بگڑ نہیں سکتے بلکہ وُہ ایسی خوشگوار صورت میں قائم رہ سکتے ہیں۔ کہ جس میں بگڑنے کا کوئی امکان ہی نہ ہو سکے۔

عبادت خانوں کی حفاظت کا حکم

ان ہر دو زرین اصول کے ماتحت مسلمان صاحبانِ اقتدار غیر مذاہب کی عبادت گاہوں اور ان میں عبادت کرنے والے کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتے۔ چنانچہ یہ آیت شریفہ اس امر کی اور وضاحت کرتی ہے۔ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم ببعض لہدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد یذکر فیہا اسم اللہ کثیرًا ولینصرن اللہ من ینصرہ۔ اور اگر اللہ تعالےٰ دفاعی جنگوں کی اجازت دے کر ایک قوم کو دوسری قوم کے خلاف عمل کرنے سے نہ روکے۔ تو یقینًا راہبوں کے صومعے اور عیسائیوں کے گرجے۔ اور یہود کے بیت ایل اور مسلمانوں کی مسجدیں۔ جن میں کثرت کے ساتھ خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے ہاتھ سے تباہ و برباد کر دی جائیں۔ اور اللہ تعالےٰ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ جو اللہ کی مدد کرتا ہے؛

اس آیت شریفہ نے مسلمانوں کے ہاتھوں کو تمام مذاہب کی عبادت گاہوں کے خراب کرنے سے نہ صرف روک دیا ہے۔ بلکہ حتے الوسع ان کے آباد رکھنے اور انہیں گرائے جانے سے بچانے کی ترغیب دی ہے اس میں مسلمانوں کے واسطے ایک عام قانون بنا دیا گیا ہے۔ کہ خواہ کوئی مذہب ہو۔ اس کے عبادت خانے کو تباہ نہیں کرنا چاہیئے؛

راہبوں کی حفاظت کا حکم

مذکورہ بالا آیت میں نہ صرف عبادت گاہوں کی حفاظت کا حکم ہے۔ بلکہ اُن عبادت گاہوں میں رہنے والوں اور خدا کی یاد میں وقت گزارنے والوں کی بھی حفاظت کی گئی ہے؛

قرآن شریف کے اس حکم پر عمل کرتے ہُوئے حضرت رسُول پاک محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو جنگ کے موقعہ پر جو ہدایات دیتے تھے۔ ان کی وضاحت احادیث صحیحہ سے ظاہر ہے۔ چنانچہ مسلم ابوداؤد اور موطا کی احادیث میں آیا ہے۔ کہ جب کوئی فوجی دستہ مدینہ شریف سے روانہ ہونے لگتا۔ تو حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کو یُوں نصیحت فرماتے۔ اغزوا بسم اللہ وقاتلوا فی سبیل اللہ ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدًا ولا امراۃً ولا تقتلوا اصحاب الصوامع۔ ولا تقتلوا شیخًا فانیًا ولا طفلًا ولا صغیرًا ولا امراۃ واصلحوا واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین اے مسلمانو! نکلو اللہ کا نام لے کر اور جہاد کرو۔ حفاظتِ دین کی نیت سے مگر خبردار مالِ غنیمت میں بددیانتی نہ کرنا۔ اور نہ کسی قوم سے دھوکہ کرنا۔ اور نہ دشمن کے مقتولوں کا مثلہ کرنا۔ اور نہ بچوں اور عورتوں اور مذہبی عبادت گاہوں کے لوگوں کو قتل کرنا اور نہ بہت بوڑھوں کو قتل کرنا اور ملک میں اصلاح کرنا۔ اور لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا۔ کیونکہ تحقیق خدا تعالےٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

خلفاء کا عملدرآمد

ایسا ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ خلیفۂ اول کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وُہ جب کبھی کسی طرف فوج روانہ کرتے تھے تو اس کو نصیحت کرتے تھے۔ کہ الذین زعموا انہم حبسوا انفسہم للہ فذرہم وما زعموا انہم حبسوا انفسہم لہ ۔۔۔ ولا تقطعن شجرًا مثمرًا ولا تخربن عامرًا۔ وُہ لوگ جنہوں نے اپنے خیال میں اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان کو کچھ نہ کہنا اور اسی طرح جس چیز کو وُہ مقدس سمجھتے ہیں اسے بھی کچھ نہ کہنا۔ اور پھلدار درختوں کو نہ کاٹنا۔ اور نہ کبھی آبادی کو ویران کرنا۔

اس ہدایت میں بالخصوص یہ امر قابل غور ہے۔ کہ یہ نہیں کہا۔ کہ وُہ لوگ فی الواقعہ اپنے طریق عبادت میں حق اور راستی پر ہیں۔ بلکہ جو کچھ بھی ہیں۔ جبکہ انہوں نے مذہب کے نام پر کوئی عبادت اختیار کی ہے۔ اور کسی جگہ کو اپنا معبد بنایا ہے خواہ وُہ مذہب ہمارے نزدیک جھوٹا اور ناقابل قبول ہو۔ تب بھی اس کا اتنا اکرام ضروری ہے۔ کہ نہ معبدوں کو گرایا جائے اور نہ عابدوں کو کچھ تکلیف پہنچائی جائے۔ اس طرح مذہبی لوگوں اور مذہبی چیزوں کی حفاظت کے طریق میں اسلام نے ایک نمایاں امتیاز پیدا کیا جس کی نظیر پہلی تاریخ میں نہیں ملتی؛

ایسا ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب شام کا ملک فتح ہوا۔ تو جو معاہدہ وہاں کی عیسائی آبادی کے ساتھ مسلمانوں کا قرار پایا۔ اس میں مذہبی آزادی اور مذہبی رواداری کی روح سارے امور پر غالب تھی۔ ان امور کی تفصیل کے واسطے ملاحظہ ہو۔ تاریخ طبری ابن جریر و فتوح البلدان وغیرہ۔

یہ اُس ضابطۂ اخلاق کا ایک نہایت مختصر سا نقشہ ہے۔ جو غیر قوموں کے ساتھ تعلقات رکھنے کے متعلق حضرت خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور جس پر آپ کے خلفاء اور آپ کے اصحاب نے عملاً کاربند ہو کر دُنیا کو دکھا دیا۔ کہ اسلامی تعلیم صرف کاغذوں کی زینت یا منبروں کی سجاوٹ نہیں۔ بلکہ سیاستِ اسلامی کا ایک ضروری اور عملی حصہ ہے۔

عیسائیوں سے معاہدہ

نجران کے عیسائیوں کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا۔ اس کی شرائط میں بالوضاحت مسلمانوں کی طرف سے یہ اقرار تھا۔ کہ عیسائیوں کا کوئی گرجا گرایا نہ جائیگا ان کے کسی پادری یا راہب کو وہاں سے نکالا نہ جائیگا اُن کے مذہب میں کسی قسم کی رخنہ اندازی نہ کی جائے گی۔ اس طرح عیسائیوں کو پورا مذہبی آزادی دی گئی۔ اور ان کے راہبوں اور پادریوں کے عہدے اور آمدنیاں بدستور قائم رہیں۔ بلکہ وہ مسلمانوں کی حفاظت میں آگئے۔ اور ہر قسم کے خوف و خطر سے امن میں آگئے۔ تفصیل کے واسطے ملاحظہ ہو۔ ابو داؤد۔ کتاب الخراج۔ باب اخذ الجزیۃ۔

ایسا ہی خیبر کے موقعہ پر اعلان عام کیا گیا تھا۔ کہ کوئی مسلمان اہل کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر نہ جائے کوئی مسلمان اہل خیبر کی عورتوں کو نہ مارے۔ کوئی مسلمان اہل خیبر کے پھلوں کو نہ کھائے (ملاحظہ ہو کتاب ابو داؤد)

پس ظاہر ہے۔ کہ اسلامی تعلیم دین کے معاملہ میں کسی قسم کے جبر کی اجازت نہیں دیتی ہر شخص پورے طور پر آزاد ہے۔ کہ وہ دلائل اور براہین کے ساتھ جس مذہب کو پسند کرے۔ اُسے اختیار کرے۔ اسلام آزادیٔ ضمیر کے حق کو تسلیم کرتا اور اس پر زور دیتا ہے۔ اور اسی کے مطابق اہل اسلام کا ہمیشہ عملدرآمد رہا ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے۔ کہ دین کے معاملہ میں سوائے خدا کے اور کسی کا خوف نہ ہے۔ اور ہر شخص آزاد ہے جو مذہب چاہے۔ قبول کرے اور جس رنگ میں کوئی چاہے۔ اللہ تعالےٰ کی عبادت بجا لائے۔

قسیس اور رہبان کا ذکر خیر

قسیسوں اور رہبانوں کی جو تعریف قرآن شریف میں کی گئی ہے اور انہیں دیگر اہل کتاب کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب تبلایا گیا ہے۔ یہ امر بھی مسلمانوں کو ان کی حفاظت کرنے اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کی طرف راہ نمائی کرتا ہے چنانچہ فرمایا ہے ولتجدن اقربھم مودۃً للذین اٰمنوا الذین قالوا انا نصاریٰ ذالک بان منھم قسیسین ورھبانًا وانھم لا یستکبرون (سورۂ مائدہ رکوع ۱۱) البتہ ان لوگوں کو جو نصاریٰ کہلاتے ہیں۔ تو مسلمانوں کے ساتھ دوستی کرنے میں زیادہ قریب پائے گا کیونکہ اُن میں قسیسین اور رہبان لوگ ہیں اور اس واسطے کہ وہ لوگ تکبر نہیں کرتے اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے راہبوں اور پادریوں کی بعض خوبیوں کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اسلام اختلافِ مذاہب کی بناء پر دوسروں سے عداوت رکھنے کی تعلیم نہیں دیتا۔ بلکہ وہ وسعتِ اخلاق سے کام لینے کی تلقین کرتا ہے۔ اور یہ ہدایت دیتا ہے۔ کہ غیر مذہب کے راہبوں میں جو خوبیاں ہوں ہمیں ان کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔ اور اس طرح باہمی رواداری کو ترقی دینی چاہیئے۔

جھوٹے معبودوں کو بھی گالی نہ دو

دُنیا میں بہت سے لڑائی جھگڑے اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ کہ لوگ ایک دُوسرے کے قابل احترام مذہبی پیشواؤں کی مذمت کرتے ہیں۔ اسلام نے سختی کے ساتھ اس بات سے روکا ہے لا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوًا بغیر علم (سورۂ انعام $\frac{13}{9}$) اللہ کو چھوڑ کر اور معبود جو لوگوں نے بنائے ہوئے ہیں۔ اُن کو بھی تم گالی نہ دو۔ تاکہ ایسا نہ ہو۔ کہ وہ لوگ چڑ کر جہالت سے اللہ کو گالیاں دینے لگ جائیں۔

اس حکم سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ غیر مذاہب کی عبادت گاہوں اور عابدوں کے متعلق اسلام کا کیا نظریہ ہے۔ اسلام تو یہ بھی پسند نہیں کرتا۔ کہ پتھر کے بتوں کو بُرا کہا جائے۔ چہ جائیکہ بُت خانوں اور پجاریوں کے ساتھ کوئی بُرا سلوک ہو۔

نجران کے عیسائیوں سے سلوک

یہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے۔ کہ نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد ایک دفعہ حضرت رسُول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا ہوا تھا۔ اتوار کے دن اُس وفد کے ممبروں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ آج ہمارا عبادت کا دن ہے۔ ہم کہاں گرجا کریں۔ تو حضور نے فرمایا۔ کہ ہماری مسجد میں کر لو۔ چنانچہ مسجد نبوی میں انہوں نے گرجا کیا۔

امریکہ کے پادریوں کو چیلنج

میں نے ایک دفعہ ڈیٹرائٹ میں جو امریکہ کا بڑا شہر ہے۔ حضرت رسول پاک صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذہبی رواداری اور حسنِ اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے اپنے لیکچر میں اُس شہر کے عیسائی پادریوں کو چیلنج کیا۔ کہ کل جمعہ ہے (یہ لیکچر جمعرات کی مغرب کے بعد رات کو ہوا تھا) اور میں نے چند نومسلموں کے ساتھ جو اس شہر میں ہیں۔ جمعہ کی نماز پڑھنی ہے۔ کیا کوئی عیسائی پادری اس شہر میں ایسا حوصلہ رکھتا ہے۔ کہ کل دو گھنٹہ کے واسطے ہمیں اپنا گرجا دے دے اور ہم اُس میں جمعہ کی نماز پڑھ لیں ڈیٹرائٹ ایک بڑا شہر ہے۔ کئی لاکھ کی آبادی ہے۔ یہ لیکچر ایک بڑے ہال میں ہوا تھا۔ اور اس میں کئی ایک روزانہ اخباروں کے نامہ نگار بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ نامہ نگار اُسی شب شہر کے گرجوں کے پادریوں کے پاس پہونچے۔ اور انہیں میرا چیلنج سُنایا۔ سب کے جواب صبح جمعہ کے اخبار میں شائع ہوئے۔ کہ سب نے نماز جمعہ کے واسطے گرجا دینے سے انکار کر دیا۔ بعض نے کہا۔ کہ ڈاکٹر صادق کو گرجا استعمال کرنے کے واسطے دینا ایسا ہے۔ جیسا کہ کوئی دُشمن کو بلا بھیجے۔ کہ ہمارے قلعہ پر آکر بم پھینکو۔

غرض سب نے انکار کیا۔ اور جس حسنِ اخلاق اور مذہبی رواداری کا نمونہ آج سے تیرہ سو سال قبل حضرت محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دکھایا تھا۔ آج کی مہذب کہلانے والی دُنیا اس کا عشر عشیر بھی نہیں دکھا سکتی۔

خلاصۂ کلام

غرض اسلامی شریعت میں غیر مذاہب کی عبادت گاہوں کا احترام پوری طرح ملحوظ رکھا گیا ہے۔ طبری وغیرہ کتب تاریخ میں بہت سے معاہدات اصل الفاظ میں مذکور ہیں۔ جن میں بالصراحت تحریر ہے۔ کہ کسی کے مذہب سے تعرض نہیں کیا جائے گا۔ حضرت خالدرض نے جب عیسائیوں پر فتح پائی۔ تو اُن کو یہ تحریر دی کہ ان کے گرجے برباد نہیں کئے جائیں گے۔ ان کو سنکھ بجانے سے روکا نہیں جائے گا۔ ان کی عیدوں کے دن انہیں صلیب کے جلوس نکالنے کی اجازت ہوگی۔ یہ وہ پاک تعلیم ہے۔ جو حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو دی۔ اور جس پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں نے ہمیشہ غیر قوموں کے معبدوں۔ راہبوں۔ برہمنوں کا احترام کیا۔ اللّٰھم صل وسلم وبارک علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد وعلیٰ مسیح الموعود وعلیٰ اٰل مسیح الموعود انک حمید مجید۔

اسلامی جنگیں

(مطلع رابع)

از جناب مولوی ذوالفقار علی خان صاحب گوہر

جنگِ یورپ نے اُٹھا رکھا ہے ایسا طوفاں
ہے زمیں پر وُہی اب قہرِ الٰہی کا نزول
دعوتِ عید مسیحا کا زمانہ گزرا
روٹیوں کے لئے محتاج فرنسا دی ہیں
ہٹلری دَور نے پیرس کو بنایا دوزخ
بحر و بر اور فضا شعلوں سے ہے پُر آشوب
جس طرف دیکھو نظر آتی ہے موتا موتی
عیش میں سوتے تھے اور عیش میں جو اُٹھتے تھے
کہیں شوہر ہے کہیں بی بی کہیں بچے ہیں
یا دماغوں میں خدائی کا تصوّر بھی نہ تھا
خانقاہوں میں بھی گرجوں میں بھی تھا عیش دخیل
حُسن کے ڈاکو تھے مذہب کے محافظ کیسے
نازِ تھا نفس پرستی پہ یہاں تک سب کو
نہ گلابی بی کو شوہر کی زناکاری کا
عیش کرتی تھی جو مریم کی کنواری بیٹی
حُسن کے تازہ شگوفے گلِ خنداں بنکر
رسّیاں ان کی دراز اتنی ہوئی تھیں کہ گنہ
حسن کے خون سے رنگین تھے صلیبوں کے جگر
محفلِ رقص میں دل کھول کے دیجاتی تھی
بیج سالہ وُہ مصیبت کا زمانہ بھولا
ذہن میں ان کے تھا اک خوابِ پریشاں جیسا
لیگِ اقوام کی بُنیاد پئے امن رکھی
پہلے جاپان نے اس زور سے ٹھوکر ماری
پھر ابی سینیا میں رُوم کی فوجیں پہونچیں

کہ سہ بارہ یہی الفضل نے رکھا عنواں
سُورۂ مائدہ میں جس کا مفصّل ہے بیاں
فقر و فاقہ کا نظر آتا ہے یورپ میں سماں
جنکو دعوے تھا زمیں پر ہے تو جنت ہے یہاں
کھیل دکھلاتے تھے یہ دوزخ و جنت کے جہاں
خندقوں میں نہ گھروں میں ہے نہ گرجوں میں اماں
بے پناہی سے لرزتی ہے حیاتِ انساں
اب نظر آتے ہیں پھرتے ہُوئے خانہ ویراں
نغمہ پرور تھے جو گھر اب وُہ پڑے ہیں سنساں
یا ہے اب ہائے خدا ہائے خدا وردِ زباں
گھر خداوند کے تھے وقف برائے شیطاں
رازِ خلوت کے نکلکر ہُوئے جلوت میں عیاں
کہ نہ شرماتا تھا افعالِ شنیعہ سے جہاں
شوہری قید سے بے خوف تھا بی بی کا جہاں
وُہ سہاگن کو بھی بے دام میسر تھے کہاں
سینہ پر راہبوں کے بنتے تھے داغِ عصیاں
ان کی پیشانیوں پر رہتا تھا ہر دم رقصاں
تھا عبائوں میں نہاں جوشِ ہوس کا طوفاں
نوجوانی کی امنگوں کو بھی دادِ ارماں
یاد یورپ کو نہ تھا جنگِ گزشتہ کا سماں
ایک خاکہ سا لڑائی کے مصائب کا بیاں
فاتحیں حسنِ تدبر پہ بہت تھے نازاں
کہ لرزنے لگا اس لیگ کا سارا ایواں
لیگِ اقوام کی مجلس کی ہُوئی بند زباں

خون حبشہ کا بہایا گیا بے جُرم و خطاء
نہ دیا ساتھ فرانسیسیوں نے برٹش کا
لیگ کی ساری وُہ اسکیم پرِ کاہ بنی
غیرتِ حق نے نہ برداشت کیا ظلمِ عظیم
شعلے پھر بغض و عداوت کے نصاریٰ میں اُٹھے
جرمنی جنگ کی تیاریاں کرتا ہی رہا
آسٹریا لیا زیکو لیا پولینڈ لیا
تھوڑے ہی دن میں کیا فتح فرانس و ہالینڈ
خوف سے دب گئے بلگیریا رومانیہ بھی
چپہ چپہ پہ لڑائی کی ہے گرما گرمی
امن مفقود ہے دُنیا کے ہر اک گوشہ میں
سر پہ چھائی ہوئی ہے قہرِ الٰہی کی گھٹا
یہ گناہوں کی ہے شامت یہ گناہوں کی سزا
ہیں سنے ۴۰ء کے جلسہ میں بتائی تھی یہ بات
ارتقاء کے لئے انسان کو وُہ قانون دیا
صرف اسلام میں ہے جنگِ دفاعی جائز
امنِ عالم کے لئے ایک ہی رستہ ہے کھلا
احمدیت ہی فقط وُہ شجرِ طوبےٰ ہے
مجھ کو دوہرانا ہیں دو چار ہی پھر اشعار
"آؤ اسلام میں دُنیا کی مہذب قومو!
"احمدیت نہیں، ہے بعثتِ ابراہیمی
"آگ ہے اُس کی غلام اور غلاموں کی غلام
"آگ کو حکم ہے برداً و سلاماً ہو جا
قادیاں امن کا گھر ہے یہ سنادو گوہر

برٹش بیڑہ یہ دیکھا کیا بے حس بے جاں
تھا یہ ٹیونس کے بچانے کے لئے لقمۂ ناں
کہہ چکا تھا یہی پہلے سے امامِ دوراں
بحرِ قہار میں اُٹھنے لگی مَوجِ طوفاں
جس طرح درج ہے قرآن میں حکمِ یزداں
ہو گئے ایجادِ ہلاکت کے نرالے ساماں
ناروے فتح کیا لڑ نہ سکا انگلستاں
بلجیم لڑ نہ سکا بھاگا وہاں کا سُلطاں
بدحواس اپنی شکستوں سے ہیں اٹلی کے جواں
اور فضاؤں میں بھی بمبار ہیں شعلہ افشاں
جو نہیں لڑتے بنانے ہیں وُہ جنگی ساماں
موت برساتا ہے چاروں طرف ابرِ باراں
اب بھی بھُولا ہُوا بیٹھا ہے خدا کو ناداں
کہ ہے تعلیم میں اسلام کی فتنوں سے اماں
کسی صُورت سے نہیں جنگ کا جس میں امکاں
اس میں بھی قیدیں ہیں ایسی کہ نہیں وُہ آساں
یعنے "سب امن کے شہزادہ" کا پکڑیں داماں
جس کے سایہ میں ہے اب قہرِ الٰہی سے اماں
ضمن میں مطلعِ ثالث کے ہُوئے تھے جو بیاں
"تاکہ اللہ کی جانب سے ملے امن و اماں"
"آگ کے شعلوں کو کر دیتی ہے گلزارِ جناں"
"کیوں ہمیشہ نہ رہے تابعِ اذن و فرماں"
"جنگ کے شعلوں کا دُنیا میں نہ ہوتا امکاں"
قہر سے بچنا اگر چاہو تو آجاؤ یہاں

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دُنیا میں ایک عظیم الشان روحانی انقلاب کا ظہور

از جناب مولوی ابوالعطاء صاحب جالندھری مبلغ سلسلہ احمدیہ

ایک عظیم الشان روحانی انقلاب

اسلام ایک عظیم الشان روحانی انقلاب کا پیغام ہے۔ بانیٔ اسلام سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کفر و شرک کی تیرہ و تار دنیا کو بقعۂ نور بنانے کے لئے تشریف لائے۔ اگر دن کا ظہور رات کے لئے جنگ کا پیغام ہے۔ تو کہہ سکتے ہیں۔ کہ اسلام کا اولین اعلان ہی ایک روحانی معرکہ کے قیام کا اعلان تھا۔ خدائے ذوالجلال فرماتا ہے۔ الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجاً قیماً لینذر باساً شدیداً من لدنہ ویبشر المومنین الذین یعملون الصلحت ان لھم اجراً حسناً (الکہف ع ۱) کہ قرآنی شریعت کے محمد عربی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول کے ساتھ ایک روحانی جنگ برپا ہوگئی ہے۔ کیونکہ مشیت ایزدی اب پاک دلوں کی زمین اور روحانی معجزات کا آسمان بنائے گی۔ اور دنیا میں ایک عظیم الشان روحانی انقلاب پیدا ہو جائیگا:

اسلام کا مطمح نظر

اسلام کے ظہور کے وقت مذہب سے وابستہ اقوام پر جمود طاری تھا۔ مذہب کا روحانی حصہ مفقود تھا۔ مذہب ان کے درمیان ایک بے جان جثہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر وہ اس ڈھانچہ پر قانع تھے اور اس قشر کو مغز سے بدلنے کے لئے تیار نہ تھے۔ دوسری طرف مذہب سے بیگانہ اور دہریت کی آغوش میں پلنے والی اقوام مذہبی قیود سے یکسر بیزار تھیں۔ پس اسلام کا پیغام دونوں قسم کے انسانوں کی نگاہ میں جنگ کا پیغام تھا۔ کیونکہ اسلام ایک مکمل مذہب پر مشتمل ہے۔ اس کا تمدن اس کی سیاست اور اس کی روحانیت مستقل تمدن، مستقل سیاست اور مستقل روحانیت ہے۔ وہ اپنے پیرؤوں کو مشرکوں کی اوہام پرستی وپست خیالی، اہل کتاب کی تنگ نظری و کوتاہ بینی، دہریوں کو اباحت و مادہ پرستی سے نجات دلا کر ایک زندہ منظم۔ بلند خیال۔ توحید پرست۔ عالم مادی کی تسخیر پر مامور اور فضائے روحانیات میں پرواز کرنے والی جماعت بناتا ہے۔ وہ اسی غرض سے آیا۔ اور روز اول سے اس کا مطمح نظر یہی تھا۔

توحید کی پہلی آواز

ہادیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کا اولین نعرۂ حق سرزمین مکہ میں بلند ہوا۔ توحید کی پہلی آواز لا الٰہ الا اللہ اسی گہوارۂ شرک و بت پرستی میں اٹھی۔ مشرکوں نے اس آواز کو اپنے بتوں اور اپنی بت پرستی کے لئے اعلان حرب قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ ہماری اکثریت اس آواز کو دبا دیگی ہماری ترہیب و ترغیب اس منادی کو خاموش کردے گی۔ اور بت پرستی کا پھریرا اسی طرح سرزمین عرب پر لہراتا رہے گا۔ اس لئے ابتداءً بت پرستوں نے اس ندائے توحید کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ اور جب انہیں ذرا احساس ہوا۔ تو اپنے اظہار بیزاری ڈرانے دھمکانے اور قومی جذبات کو اسلام کی اشاعت میں انتہائی روک سمجھ کر مطمئن ہوگئے۔ دنوں کے بعد دن ہفتوں کے بعد ہفتے۔ اور مہینوں کے بعد مہینے گذرتے گئے۔ اسلام کا منادی یہاں اور وہاں گلی کوچوں میں اور قومی اجتماعات کے موقعہ پر محبت اور درد مند دل کے ساتھ خدا کا پیغام پہونچاتا رہا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس شمع حقیقت کے گرد پروانوں کی ایک جماعت جمع ہوگئی۔ ان لوگوں نے جن میں اکثر نوجوان اور مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے تھے۔ شرک کی کینچلی اتار کر قبائے توحید کو زیب تن کیا۔ ان کی زبانوں پر آوازۂ وحدت جاری ہوگیا۔ توحید کے علمبرداروں کی یہ ننھی سی مگر دنیا پر چھا جانے والی جماعت صنادید مکہ کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتی تھی۔ کیونکہ یہ لوگ شام و پگاہ مرسل ربانی محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے۔ اور ان کی جانفزا اور عطر بیز روحانی تعلیمات کو خود اخذ کرتے۔ اور دوسروں میں پھیلانے کی جدوجہد کرتے تھے:

لا اکراہ فی الدین

اسلام ایک روحانی قوت ہے۔ جس کے سامنے مادیت کا قصر خود بخود چکنا چور ہو جاتا ہے۔ مکہ میں سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم نے کافروں کے خلاف کوئی اعلان جنگ نہیں کیا تھا۔ اسلام اور کفر دو روحانی یعنی غیر مادی حقیقتوں کا نام ہے۔ جنہیں ہم نور و ظلمت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اسلام کی بادشاہت روحانی ہے۔ اس کا اصل دائرہ تاثیر دل ہیں نہ صرف جسم اور زبانیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اپنی اشاعت کے لئے دلیل و برہان کو ذریعہ بنایا ہے نہ جبر و اکراہ اور سیف و سنان کو۔ بلکہ اسلام نے دلی اطمینان کے بغیر محض موتہہ سے اظہار اسلام کرنے والوں اور محض ظاہری طور پر ارکان و عبادات بجالانے والوں کو منافق قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار۔ کہ ایسے لوگ خدا کے غضب کو بھڑکانے والے اور دوزخی ہیں۔ اسی طرح اسلام نے مذہب کے لئے جبر کو حرام قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی۔ کہ دین کے بارے میں زبردستی کرنا سراسر ناجائز ہے۔ کیونکہ جب صداقت دلائل و براہین کے رو سے ضلالت سے ممتاز ہو چکی ہے تو جبر کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے۔ غرض اسلام اپنی ساخت اور وضع میں مادی جنگ کے خلاف ہے۔ اس کا پیغام دراصل روحانی پیغام ہے۔ اور اس کا کام دلوں کو فتح کرنا ہے۔ مگر جن کے دل فتح ہو جائیں گے وہ شرک کی فوج کی بجائے اسلام کے سپاہی بن جائیں گے۔ یہی وجہ تھی کہ شرک کے حامیوں نے اولین مسلمانوں کے وجود کو برا منایا۔ اور ان سے برسر پیکار ہوگئے

قریش مکہ کی مخالفت

جوں جوں مسلمانوں کی جمعیت میں اضافہ ہوتا گیا کفار کی مخالفت بڑھتی گئی۔ ان کا ہیجان تیز تر ہوتا گیا۔ چنانچہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان توحید کے تھوڑے ہی عرصہ بعد قریش مکہ نے آپ کے خلاف مہم جاری کردی۔ مدنی زندگی میں قریش اور دیگر قبائل کے جارحانہ حملے اور تیر و تفنگ سے فرزندان اسلام کی بربادی کی انتہائی کوششیں دراصل اسی شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ تھیں۔ جو انہیں اسلام کے مقابل پر دلائل و براہین کے میدان میں حاصل ہو چکی تھیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے حیات و موت، دلائل کے وجود و فقدان کا نام ہے۔ جیسا کہ فرمایا لیھلک من ھلک عن بینۃ و یحیی من حی عن بینۃ (انفال)، اسی لئے قرآن مجید نے مشرکوں سے مطالبہ کیا۔ کہ تم جو خدا کی بیٹیاں (دیویاں) مانتے ہو۔ اس پر کوئی دلیل پیش کرو۔ فرمایا ام لکم سلطان مبین فاتوا بکتابکم ان کنتم صدقین (الصافات) کہ کیا اس دعوے پر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے۔ اگر تم سچے ہو تو اپنے برہان کو پیش کرو۔ دوسری جگہ خدا کا بیٹا قرار دینے والے مشرکوں سے۔ فرمایا ان عندکم من سلطان بھذا اتقولون علی اللہ مالا تعلمون (یونس) کہ تمہارے پاس ہرگز کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم خدا کی طرف وہ باتیں منسوب کرتے ہو۔ جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔ تیسرے موقعہ پر مکی مشرکوں سے کہا۔ قل انما

حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون (الاعراف) کہ میرے رب نے ایک تو ظاہر اور مخفی برائیوں گناہ اور ناجائز بغاوت کے ارتکاب کو حرام قرار دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ تم ان بتوں وغیرہ کو خدا کے شریک ٹھہراؤ جن کی خدائی پر کوئی دلیل و برہان نہیں ہے۔ اور خدا کے متعلق بے علمی سے غلط بات کہو۔ قرآن مجید میں ایسے بیسیوں مقامات ہیں جہاں کی زندگی میں قریش سے دلیل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ قریش اس مطالبہ سے عہدہ برآ نہ ہو سکتے تھے۔ وہ شرمندہ تھے۔ اور میدان دلائل میں عاجز و بے چارہ۔

سلبی جنگ

قریش کو کب گوارا تھا۔ کہ ان کے صدیوں کے عقائد۔ ان کے باپ دادوں کی میراث۔ اور ان کی ظاہری عظمت کا سہارا یعنی بت پرستی یوں باطل اور بے ثبوت قرار پائے۔ ثبوت ان کے پاس تھا نہیں کرتے تو کیا کرتے۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے مطابق وہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔ اور انہوں نے ابتدائے اسلام اور ہادیٔ اسلام کے خلاف سلبی جنگ شروع کی۔ جس کا پہلا مرحلہ یہ تھا۔ کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے خانۂ کعبہ میں عبادت بجا لانے سے روکنا شروع کیا۔ قرآن مجید کی سب سے پہلی کی سورت میں آتا ہے۔ ارأیت الذی ینھی عبداً اذا صلی (العلق) کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ جو خدا کے بندے کو نماز سے منع کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں محض زبانی تہدید کو ناکام پاکر قریش نے جو کیا اس کا ذکر دوسری جگہ آتا ہے فرمایا۔ وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً وانہ لما قام عبد اللہ یدعوہ کادوا یکونون علیہ لبدا۔ قل انما ادعو ربی ولا اشرک بہ احداً قل انی لا املک لکم ضراً ولا رشداً (الجن) کہ مسجدیں اللہ کی ہیں۔ ان میں اللہ کے علاوہ کسی کو مت پکارو۔ تحقیق جب ہمارا بندہ (آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدائے واحد کی پرستش کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ لوگ اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اے رسول تو کہہ دے کہ میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ ہاں میں تمہیں کچھ ضرر نہیں پہونچا سکتا۔ اور نہ ہی جبراً ہدایت دے سکتا ہوں"۔ اسلام کی پُر تاثیر دعوت کو بے اثر بنانے کے لئے قریش نے یہ پہلا حربہ اختیار کیا۔ ہادیٔ اسلام نے فساد کی راہ سے اجتناب کیا۔ مگر رات کی تاریکیوں میں جب لوگ غفلت کے لحافوں میں سوتے تھے آپ خانہ کعبہ میں بریاں دل اور گریاں آنکھوں کے ساتھ معبود برحق کے آستانہ پر ناصیہ فرسا ہوتے تھے۔ دن کے اوقات میں آپ گھروں میں تبلیغ اور یاد خدا میں محو رہتے تھے۔

مخالفانہ پروپیگنڈا

قریش کا پہلا حربہ زیادہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ تو انہوں نے لوگوں کو ہادیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام کی تبلیغ سننے سے روکنے کے لئے آپ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ جتنے مونہہ اتنی باتیں تھیں کوئی کہتا کہ آپ کے دماغ میں نعوذ باللہ سودا سما گیا ہے۔ اور بیٹھے بٹھائے بڑائی کا خیال آ گیا ہے۔ جو ابھی مشکلات کو دیکھ کر مٹ جائے گا۔ فرمایا ام یقولون شاعر نتربص بہ ریب المنون قل تربصوا فانی معکم من المتربصین (الطور) کیا یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ یہ شاعرانہ خیالات کا انسان ہے۔ جو عنقریب زمانہ کے حوادث کا شکار ہو جائے گا۔ اے رسول تو کہدے کہ تم بھی انتظار کرو۔ اور میں بھی انتظار کرتا ہوں (۲) بعض کہتے ہیں کہ ساحر ہے۔ پرانے انسانی قول کو موثر انداز میں پیش کرتا ہے۔ فرمایا فقال ان ھذا الا سحر یؤثر ان ھذا الا قول البشر (المدثر) کہ مخالف کہتے ہیں۔ کہ یہ پرانا جادو ہے۔ پرانے لوگوں کی باتوں کو پیش کر رہا ہے۔ (۳) بعض نے ازراہ افترا کہنا شروع کر دیا۔ کہ انما یعلمہ بشر (النحل) یہ کسی انسان سے سیکھ کر یہ باتیں بیان کرتا ہے (۴) بعض نے آپکو مجنون مشہور کرنے کی ناپاک کوشش شروع کر دی اور آپ پر تمسخر کرنا اپنا وطیرہ بنا لیا۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وان یکاد الذین کفروا لیزلقونک بابصارھم لما سمعوا الذکر ویقولون انہ لمجنون (القلم) کہ کفار اپنے استہزا اور آنکھ کے تحقیر آمیز اشاروں سے گمان کرتے ہیں۔ کہ شائد تیرے قدم میں لغزش آ جائے۔ وہ قرآن کو سنکر رسول کو مجنون کہتے ہیں۔ (۵) بعض نے قرآن مجید کا استخفاف کرنے کے لئے اسے "اضغاث احلام" (الانبیاء) اور "اساطیر الاولین" (القلم) کے نام سے موسوم کیا۔ یعنی یہ پراگندہ خیالات اور گزشتہ زمانوں کے افسانے ہیں (۶) بعض نے رسول اکرمؐ کو جنہیں وہ دعوئے نبوت سے پیشتر صدوق و امین کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اعلان توحید کے باعث مفتری و کذاب کہنا شروع کر دیا اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وقال الکافرون ھذا ساحر کذاب أجعل الالھۃ الھا واحداً ان ھذا لشیٔ عجاب (ص) کہ کافروں نے کہا۔ کہ یہ بہت جھوٹا جادوگر ہے کیا اس نے متعدد خداؤں کی جگہ ایک خدا قرار دے دیا ہے۔ یہ تو نہایت عجیب بات ہے۔ قریش کے اس قسم کے اتہامات اور ناروا پروپیگنڈا کا مکی سورتوں میں نہایت مدلل اور موثر جواب دیا جاتا۔ اور شرک کے خلاف دلائل پر دلائل بیان کئے جاتے تھے اس لئے آخر کار انہوں نے اپنے اس حربہ کو بھی ناکارہ پایا۔ ہادیٔ اسلام کے پر شوکت بیان اور کلام ربانی کی دل میں کھب جانے والی آیات کے سامنے ان کی باتیں محض ژاژ خائی تھی۔ جس کا دلوں پر قطعاً اثر نہ ہوتا۔ اور یہ بات اکابر قریش سے بھی مخفی نہ تھی۔

تیسرا حربہ

اب کفار مکہ نے تیسرا حربہ یہ اختیار کیا۔ کہ اپنے زیر اثر اور ہم مذہب لوگوں کو تلقین کی۔ کہ قرآن مجید اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دلکش باتیں نہ سنیں۔ آپ کی تبلیغ کا بائیکاٹ کریں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وانطلق الملأ منھم ان امشوا واصبروا علی الھتکم ان ھذا لشیٔ یراد (ص) کہ سرداران قریش نے عام لوگوں سے ہر جگہ پھر کر کہا۔ کہ تم جاؤ اور اپنے معبودوں پر ثابت قدم رہو۔ یہ سلسلہ تو نعوذ باللہ فریب کاری ہے جس کا چند دنوں تک خاتمہ ہو جائے گا۔ دوسری جگہ فرمایا وقال الذین کفروا لا تسمعوا لھذا القرآن والغوا فیہ لعلکم تغلبون (حم السجدۃ) کہ کافروں نے کہا۔ کہ تم اس قرآن کو ہرگز مت سنو۔ بلکہ جب یہ پڑھا جا رہا ہو تو اس میں شور مچا دیا کرو۔ تا تم غالب رہو۔ زعماء قریش کی اس قرارداد پر عوام نے جس طرح عمل کیا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آتا ہے۔ فمال الذین کفروا قبلک مھطعین عن الیمین و عن الشمال عزین (المعارج) کہ کافروں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہ وہ رسول کی جانب دائیں بائیں سے جتھے بنا کر گردن اٹھائے آ رہے ہیں۔ قریش کی یہ تجویز ہنگامہ آرائی و غوغا انگیزی اپنی اکثریت اور جتھہ بندی کی بنا پر تھی۔ اس لئے ایک طرف تو قرآن مجید نے پرزور اعلان فرمایا۔

ام لھم ملک السموات والارض وما بینھما فلیرتقوا فی الاسباب جند ما ھنالک مھزوم من الاحزاب (ص) کہ کیا ان لوگوں کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی حکومت ہے۔ اگر ان کو یہ زعم ہے۔ تو وہ اسلام کے خلاف ہر منصوبہ کر دیکھیں۔ مگر عنقریب وہاں ان کے جتھے شکست خوردہ ہو گئے۔ پھر فرمایا۔ ام یقولون نحن جمیع منتصر۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر (القمر) کہ کیا ان کا دعوےٰ ہے۔ کہ وہ ایک ایسی جمعیت ہیں جو باہم مددگار ہوگی۔ فرمایا ہرگز نہیں

بلکہ وہ وقت قریب ہے جب یہ جمعیت ٹوٹ جائے گی۔ اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے" اس پرشوکت پیشگوئی کے ساتھ دوسری طرف اللہ تعالےٰ نے کفار کو سمجھایا۔ واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون (الاعراف) کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے۔ تو شور مچانے کی بجائے اس کو خاموشی سے بغور سنو تا تم پر رحم نازل ہو۔ افسوس کہ قریش اس وقت مخالفت میں اندھے ہو رہے تھے۔ اس لئے یہ پرحکمت نصیحت بہرے کانوں پر پڑی۔ اور مکہ کی وسیع آبادی اسلام کی تبلیغ کے لئے بظاہر تنگ ہو گئی۔

مکہ کے ارد گرد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ

ان حالات میں ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارۂ خداوندی لتنذر ام القرىٰ ومن حولها (الشوریٰ) کے مطابق مکہ کے ارد گرد تبلیغ کا میدان تلاش کرنا شروع کیا۔ گاہے گاہے آپؐ اکیلے یا کسی ایک جاں نثار صحابی کی رفاقت میں مختلف دیہات میں اور مختلف قبائل کے ہاں خدا کا پیغام پہونچانے کے لئے تشریف لے جاتے۔ قریش کو یہ بات اور بھی گراں گزری۔ اس لئے زعماء قریش نے دوسرے قبائل میں وفود بھیج کر اسلام کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ ایسا کرنے والوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض قریبی رشتہ دار مثلاً حضور کے چچا ابولہب بھی شامل تھے۔ بدوی قبائل اور دوسرے اکثر لوگ مکہ کے بڑے لوگوں کے مقابلہ پر محمدؐ عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی آواز کے شنوا نہ ہوئے۔ تاہم اس معرکۂ حق و باطل میں اگر ایک طرف اسلام کے جانبازوں کی جماعت بڑھ گئی۔ تو دوسری طرف بہت سے لوگوں میں تلاشِ حقیقت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ایسے لوگوں کے سامنے ہمارے آقا نے اللہ تعالےٰ کا فرمان پیش کیا۔ قل انما اعظکم بواحدة ان تقوموا لله مثنىٰ وفرادىٰ ثم تتفكروا ما بصاحبكم من جنة ان هو الا نذير لكم بين يدي عذاب شديد (سباء) کہ اے لوگو! میں تم سے ایک ہی بات چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ تم خلوتوں میں اور مل کر میرے بارے میں غور کرو۔ کیونکہ میں مجنون نہیں ہوں۔ ہاں میں آنے والے عذاب سے قبل جذبۂ خیر خواہی کے ماتحت تمہیں اس سے ڈرا رہا ہوں" اس دلی آواز میں تاثیر ثابت ہوئی۔ چنانچہ خود مکہ میں بعض بڑے لوگ اسلام کی آغوش میں آ گئے یا کم از کم مسلمانوں کے دلی ہمدرد بن گئے۔

مسلمانوں کا مقاطعہ

قریش اپنی سکیم کو ناکام ہوتے دیکھ کر جھنجھلا اٹھے۔ تب انہوں نے نیا حربہ اختیار کیا۔ یعنی مسلمانوں اور ان کے بعض ہمدردوں کا مقاطعہ کر دیا۔ تا وہ سر جو زبانی باتوں سے پتھروں کے آگے نہیں جھکے بھوک سے ڈر کر۔ عورتوں کے کرب کو دیکھ کر۔ بچوں کی چیخ و پکار۔ اور بلبلانے کو سن کر شرک پر آمادہ ہو جائیں۔ مگر ایمان اب ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔ اور توحید کا عقیدہ ان کے رگ و پے میں سرائیت کر چکا تھا۔ اب تو موت کا بھیانک دیو بھی انہیں اپنے محبوب آقا سے جدا نہ کر سکتا تھا۔ کئی مہینے بلکہ کئی سال تک مسلمان مرد عورتیں اور بچے اس صبر آزما امتحان میں سے گزرے۔ مگر ان کے عزم و استقلال میں ذرہ بھر جنبش نہ آئی۔ چنانچہ جب دیمک نے قریش کے ظالمانہ معاہدہ کو ریزہ ریزہ کر دیا۔ اور پھر باہم میل جول شروع ہوا تب پہلے سے بھی زیادہ تبلیغ میں سرگرمی دکھائی گئی۔ جسے دیکھ کر قریش پر دیوانگی سوار ہو گئی۔ اور اب وہ گالی گلوچ۔ راستوں کی بندش ناپاک الزام تراشی کے علاوہ بہت زیادہ خوفناک طور پر بدنی انتقام لینے پر تل گئے حالات کی نزاکت کے پیش نظر رسولؐ نے اپنے جاں نثاروں کے ایک دستہ کو حبشہ میں پناہ گزینی کے لئے روانہ فرمایا۔ گویا کہ سے ہجرت کا آغاز ہو گیا۔ یہ سلسلہ جاری رہا۔ اور قریش کی تن آزاری بھی بڑھتی گئی۔ اللہ نے اپنے رسول سے فرمایا تھا واصبر علىٰ ما يقولون واهجرهم هجرا جميلا (المزمل) اس لئے رسول اور آپ کے ساتھی دامن صبر کو تھامے ہوئے تھے۔ اللہ نے فرمایا تھا۔ واصبر لحكم ربك فانك باعيننا (الطور) کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ صبر سے خدا کے فیصلہ کا انتظار کر۔ عجیب منظر ہے۔ کہ قریش خونخوار درندوں کی صورت مسلمانوں پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ مسلمان عورتوں کو شہید کر دیتے ہیں۔ مردوں کو اونٹوں سے باندھ کر چروا دیتے ہیں۔ اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو انتہائی تکلیف پہنچاتے ہیں۔ مگر خدا کا پیارا نبی ہمارا محبوب محمدؐ ان درندوں کی خیر خواہی میں کباب ہو رہا ہے۔ اس کا دل پگھل رہا ہے۔ اس کی جان ہلکان ہو رہی ہے۔ تب اللہ تعالےٰ ازراہ تسلی فرماتا ہے۔ لعلك باخع نفسك الا يكونوا مومنين (الشعراء) کیا تو ان لوگوں کے مومن نہ بننے کے غم میں اپنی جان کو ذبح کر ڈالیگا؟" سچ ہے ؎

آں ترحمہا کہ خلق از وے بدید
کس ندیدہ در جہاں از مادرے

جذبات کے اس بحر بیکراں کی تہ میں بھی توحید کے پھیلانے کا عزم راسخ کارفرما تھا۔ اس لئے خواہ کچھ ہو کتنے خوفناک حوادث آئیں۔ کس قدر خوشنما منظر پیش کئے جائیں۔ توحید کے اعلان کو کسی حالت میں چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اور یہ پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کی ہجرت
اور
قریش مکہ کا مشورہ

قریش مکہ عاجز آ گئے۔ ان کی ساری تدبیریں ناکام رہ گئیں۔ اور ان کے سب منصوبے باطل ثابت ہوئے۔ کیونکہ خدا کی توحید کا پودا مکہ میں بھی راسخ ہو گیا۔ اور دیگر مقامات پر بھی اس کی شاخیں نکلنی شروع ہو گئیں۔ مدینہ دار الہجرۃ قرار پایا۔ اور صحابہؓ قریش کے وحشیانہ مظالم سے تنگ آ کر ایک ایک کر کے ادھر روانہ ہونے لگے۔ اب قریش نے دانت پیسے اور اپنے ہاتھوں کو کاٹا۔ اور چاہا کہ آخری حملہ کر کے ہمیشہ کے لئے شمع حقیقت کو گل کر دیا جائے۔ اور خدا کی سب سے بڑی آواز کو بند کر دیا جائے۔ چنانچہ تیرہ سالہ پیہم ناکامیوں کے باعث شرمسار مگر اپنی طاقت اور قوت پر غرّاں قریشی سردار مشورہ کے لئے جمع ہوئے۔ ان کے دل انگاروں پر لوٹ رہے تھے اور آنکھیں شرربار تھیں۔ اب زیادہ تجاویز زیر بحث نہ تھیں۔ کیونکہ سب آزما کر بے اثر ثابت ہو چکی تھیں۔ اس لئے صرف تین شقوں پر گفتگو ہوئی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے واذ يمكر بك الذين كفروا ليثبتوك او يقتلوك او يخرجوك ويمكرون ويمكر الله والله خير الماكرين (انفال) اس وقت کو یاد کرو جب قریش مکہ رسولؐ کی ذات کے متعلق تجویز کر رہے تھے۔ کہ یا آپ کو عمر قید کر دیں۔ یا قتل کر دیں۔ یا جلا وطن کر دیں۔ پروردگار فرماتا ہے۔ کہ وہ اپنی تجویزیں کر رہے تھے۔ اور خدا اپنے فیصلہ کو مرتب کر رہا تھا۔ آخر خدا کا فیصلہ ہی غالب آتا ہے۔ قریش کا انجام کار اس پر اتفاق ہو گیا کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا جائے۔ قریش کا یہ فیصلہ روحانی میدان میں ان کی عاجزی اور بیچارگی کی مونہہ بولتی تصویر ہے۔ یہ فیصلہ شرک کے بطلان اور توحید کی حقانیت پر ناطق دلیل ہے اسی لئے جس وقت قریش یہ سفاکانہ فیصلہ کر کے خوش ہو رہے تھے۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے رسول کو ہجرت کرنے کی اطلاع کے ساتھ فرمایا وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا (الاسراء) کہ تو اعلان کر دے کہ حق مکمل گیا اور باطل نیم جاں ہو چکا باطل کے لئے یہی سزاوار تھا۔

مکہ سے مدینہ

اب قریش اپنے آخری حربہ کی آزمائش کے درپے تھے کہ منشاء ربانی کے مطابق رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک جاں نثار رفیق سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ رات ویسی ہی تاریک تھی جیسے کفار مکہ کے دل سیاہ تھے ہمارے آقا نے مکہ اپنے وطن مالوف پر ایک آخری نظر ڈال کر دردمندانہ لہجہ میں فرمایا:۔

کہ اے مکہ! تو مجھے سب شہروں سے عزیز ہے ۔ مگر کیا کروں ۔ تیرے رہنے والے مجھے یہاں بسنے نہیں دیتے ۔ تب اثناء ہجرت میں آسمان سے آواز آئی ۔ ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد قل ربی اعلم من جاء بالھدی ومن ھو فی ضلٰل مبین ۔ (القصص) کہ اے رسول! شکستہ خاطر نہ ہو ۔ وہ دن آتے ہیں ۔ جب تیرا خدا تجھے اس جگہ لوٹا کر لائے گا ۔ کیونکہ تیرے رب کو خوب معلوم ہے کہ تو ہدایت پر ہے ۔ اور تیرے دشمن گمراہ ہیں ۔ قریش کو رسول اکرمؐ کے سلامت مدینہ منورہ پہنچ جانے کی خبر نے بالکل پاگل بنا دیا ۔ چنانچہ انہوں نے باقاعدہ جنگی تیاریاں شروع کر دیں ۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں مسلمانوں کی ہستی کو صفحۂ زمین سے ناپید کرنے کے لئے مدینہ کی طرف اُمڈ آئے ۔ مسلمانوں نے دفاع کیا اور قریباً چھ سات برس تک دونوں فریق میں لڑائی جاری رہی ۔ جس کا خاتمہ اس طرح ہوا ۔ کہ ہمارا آقا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان میں دس ہزار قدسیوں سمیت مکہ معظمہ میں داخل ہوا ۔ اس نے قریش کے سرداروں کو معاف کر دیا ۔ اور فرمایا :۔ لاتثریب علیکم الیوم ۔ اب کیا تھا ۔ سب بت اہل عرب کے دلوں سے مٹ چکے تھے ۔ وہ ظاہر میں بھی چکنا چور ہوگئے ۔ اب بتوں کی جگہ توحید نے لے لی ۔ اور خدائے واحد کی پرستش کا نقارہ چار دانگ عالم میں بجنے لگا ۔

قریش نے جب جنگ کا آغاز کیا ۔ اور جن حالات میں کیا ۔ وہ کیسے بھیانک تھے ۔ اسلام نے جب جنگ کا خاتمہ کیا ۔ اور جن حالات میں کیا ۔ وہ کیسے شاندار اور خوبصورت تھے ۔ یہی رات اور دن کا فرق ہے یہی شرک اور اسلام کا امتیاز ہے

اللھم صل علی محمد وعلی آلہ وبارک وسلم ۔

اسلام اور جزیہ

(از شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر مدیر معاون الفضل)

اسلام سے لوگوں کو دور رکھنے کے لئے عیسائی مصنفین نے اس کی طرف جو کئی بے بنیاد اور بے سروپا باتیں منسوب کی ہیں ان میں سے جزیہ کو خاص اہمیت حاصل ہے کہا جاتا ہے ۔ کہ غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے ان پر بھاری ٹیکس لگا دیا جاتا تھا ۔ جس سے مسلمان بالکل مستثنیٰ ہوتے ۔ اور کہ اشاعت اسلام کا یہ ایک مؤثر ذریعہ مسلمانوں نے ایجاد کیا تھا ۔ لیکن یہ سب باتیں غلط اور بالکل غلط ہیں ۔

جزیہ کا مسئلہ نہایت سیدھا سادہ اور آسان سا مسئلہ ہے ۔ جس میں نہ کوئی الجھن ہے ۔ اور نہ پیچیدگی ۔ اور نہ اس میں اعتراض کا کوئی پہلو ہے ۔ جزیہ مسلمانوں سے قبل بھی رائج تھا ۔ اور اس کیلئے باقاعدہ قواعد اور آئین موجود تھے ۔ ایران میں نوشیرواں کے عہد میں جزیہ کے قواعد مرتب ہوئے ۔ لوگوں پر جزیہ مقرر کیا گیا ۔ جس کی شرح ۱۲ ۔ ۸ ۔ ۶ اور ۴ درہم تھی ۔ خاندانی شرفاء اور امراء اہل فوج اور پیشوایان مذہب اور اہل قلم اور عہدیداران دربار اس سے مستثنیٰ تھے ۔ اور نیز وہ لوگ بھی جن کی عمر پچاس سال سے زیادہ اور بیس سال سے کم ہوتی تھی ۔ اس کی ضرورت یہ بیان کی گئی تھی ۔ کہ جو لوگ ملکی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو خطرات میں ڈالتے ہیں غیر مصافی لوگوں کی آمدنی سے ان کی محنت کا کچھ معاوضہ وصول کیا جانا چاہیئے ۔ (تاریخ کبیر طبری ص ۹۶۲)

اسلام کے مجوزہ نظام حکومت کے رُو سے ہر مسلمان کو بوقت ضرورت فوجی خدمت کیلئے مجبور کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن اسلامی حکومت کی غیر مسلم رعایا یعنی ذمی لوگوں کو فوجی خدمات پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ۔ اور اس لئے ان کی حفاظت کے معاوضہ کے طور پر ایک ہلکا سا ٹیکس لیا جاتا تھا ۔ جسے جزیہ کہا جاتا ہے ۔ جو در اصل فارسی لفظ گزیہ کا معرب ہے ۔ لیکن اگر کوئی غیر مسلم قوم یا فرد اپنی خوشی سے فوجی خدمات کے لئے آمادہ ہو جاتا ۔ تو اُسے جزیہ سے بری کر دیا جاتا تھا ۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں حبیب بن مسلمہ نے قوم جراجمہ پر فتح پائی ۔ تو ان لوگوں نے فوجی خدمات ادا کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا ۔ ان سے متصل علاقہ کی بعض اور قومیں بھی اس پر آمادہ ہوگئیں اور ان سب کو جزیہ سے بری کر دیا گیا ۔ اور اس کی یہاں تک پابندی کی گئی ۔ کہ خلیفہ واثق باللہ عباسی کے زمانہ میں اس علاقہ کے عامل نے غلطی سے ان لوگوں پر جزیہ لگایا ۔ تو انہوں نے اس کے خلاف دربارِ خلافت میں اپیل کی ۔ وہاں سے ان کی برأت کا حکم صادر ہوا ۔ (تاریخ کبیر طبری) اگر کوئی ذمی صرف ایک سال کے لئے فوجی خدمت کرتا ۔ تو اُسے اس سال کا جزیہ معاف کر دیا جاتا تھا ۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عتبہ بن فرقد نے جب آذربائیجان فتح کیا ۔ تو شرائط صلح میں اس امر کو واضح کیا گیا ۔ کہ جو شخص کسی سال لڑائی میں بلایا جائیگا ۔ اس سال کا جزیہ اُسے معاف ہوگا ۔ اور آرمینیا کی فتح کے بعد اس ملک سے جو معاہدہ ہوا ۔ اس میں بھی یہ صراحت موجود ہے ۔ کہ یہ لوگ جب لڑائی پیش آنے پر مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونگے ۔ تو ان پر جزیہ نہیں لگایا جائیگا ۔ لیکن جو شخص فوجی خدمات سے مستثنیٰ چاہے ۔ اُسے جزیہ ادا کرنا ہوگا ۔ (تاریخ کبیر طبری)

خلاصہ یہ ہے ۔ کہ اسلامی خدمت میں ہر تندرست مسلمان فوجی خدمات کی پُرخطر وادی میں سے گذرنے پر مجبور تھا ۔ اور وہ کوئی بڑی سے بڑی مالی خدمت کے عوض بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہو سکتا تھا لیکن غیر مسلموں پر یہ پابندی نہ تھی ۔ ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں پر تھی ۔ اور وہ صرف ایک معمولی سی رقم دیکر اپنی اور اپنے ملک و قوم کی حفاظت کے فرض سے سبکدوش ہو جاتے تھے ۔ ہاں ان کو یہ رعایت تھی ۔ کہ اگر وہ چاہیں ۔ تو فوجی خدمت میں شریک ہو کر اس ٹیکس کی ادائیگی سے بچ جائیں ۔ بتایئے! کس قدر رعایت ہے ۔ غیر مسلم رعایا کیلئے اسلام نے تو یہ آسانی رکھی ۔ ان کا بہت بڑا بوجھ مسلمانوں کے سر پر ڈال دیا ۔ ان کی جانوں ان کے اموال و املاک اور جائیدادوں کو غنیم کی دست برد سے محفوظ رکھنے کیلئے مسلمانوں کو اپنی جانیں لڑا دینے کا پابند کیا ۔ اور ان سے صرف معمولی سی رقم کی وصولی کی اجازت دی ۔ لیکن کہا یہ جاتا ہے ۔ کہ اسلام نے غیر مسلموں پر جزیہ لگا کر ان پر بہت بڑا ظلم کیا ۔ نیکی برباد گناہ لازم ۔ اسی کو کہتے ہیں ۔

جزیہ سے وصول شدہ رقم لشکر کی آراستگی سرحدات کی حفاظت اور حفاظتی حلقوں کی تعمیر پر خرچ ہوتی تھی ۔ اور اگر بچ جائے ۔ تو پلوں کی درستی ۔ سڑکوں کی تیاری ۔ اور تعلیم پر ۔ اور یہ بے شک صحیح ہے ۔ کہ اس سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا لیکن اس کے بالمقابل مسلمان جو ملک کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں لڑاتے تھے ۔ اُن کی اس قربانی سے غیر مسلموں کو کس قدر آرام تھا ۔ اور غور کیا جائے ۔ تو یہی چیز تھی ۔ جس کے طفیل غیر مسلم آرام و چین سے گھروں میں بیٹھے ہوئے تجارت ۔ زراعت یا صنعت و حرفت سے زر و اموال پیدا کر لیتے تھے ۔ اور پھر اس کے ساتھ صدقات کے ذریعہ جو آمدنی مسلمانوں سے ہوتی تھی ۔ اس سے غیر مسلم بھی مستفید ہوتے تھے ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے داروغہ کو حکم دیا تھا ۔ کہ انما الصدقات للفقراء والمساکین میں مسکینوں سے مراد عیسائی ۔ یہودی اور دوسرے غیر مسلم مساکین بھی ہیں ۔ (کتاب الخراج ابو یوسف)

جزیہ کی عام شرح چھ روپے سالانہ تھی ۔ اور زیادہ سے زیادہ بیس روپیہ سالانہ ۔ کسی کے پاس لاکھوں روپیہ ہو ۔ تو بھی بیس روپے سے زیادہ رقم بطور جزیہ اس سے نہ لی جا سکتی تھی ۔ بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر کے لوگ اس سے مستثنیٰ تھے ۔ عورتیں نابالغ ۔ معذور ۔ اپاہج ۔ نابینا ۔ مجنون اور مفلس یعنی وہ لوگ جن کے پاس دو سو درہم سے کم مال ہو ۔ اس سے بالکل بری تھے ۔ جس سے ظاہر ہے ۔ کہ اس سے ہلکے اور نرم ٹیکس کی مثال دنیا میں کسی حکومت کی تاریخ سے پیش نہیں کی جا سکتی ۔ اور مسلمان اس بارہ میں اس قدر محتاط تھے ۔ کہ اگر وہ کسی وجہ سے کسی قوم کی حفاظت کے فرض سے قاصر رہتے ۔ تو اس سے وصول کردہ جزیہ کی رقم واپس کر دیتے تھے ۔ چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے شام میں پے در پے فتوحات حاصل کیں ۔ تو ان لوگوں سے جزیہ وصول کیا ۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا ۔ کہ ہرقل شاہ روم مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے ایک عظیم الشان طاقت جمع کرتا ہے ۔ اور طے یہ پایا ہے ۔ کہ گزشتہ ... کر اس کا مقابلہ کیا جائے ۔ اور تمام مفتوحہ علاقہ کی اسلامی فوج کو جمع کر کے اس محاذ پر بھیجنا ضروری ہوگیا ۔ اس لئے حضرت ابوعبیدہؓ نے تمام عمال کو حکم دیا ۔ کہ اہل شام سے جس قدر جزیہ وصول کیا جا چکا ہے وہ سب

اسلام میں جنگ کب اور کن حالات میں جائز ہے

از جناب قاضی محمد نذیر صاحب لائلپوری مولوی فاضل و منشی فاضل

مخالفین اسلام کا ایک اعتراض

سوال مندرجہ عنوان کا جواب موجودہ زمانہ کے حالات کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اعدائے اسلام نے اسلام کے مقدس چہرہ کو داغدار بنانے کے لئے اپنے وسیع پراپیگنڈا کے ذریعہ اس اعتراض سے لوگوں کے دل و دماغ کو مسموم کر رکھا ہے۔ کہ اسلام اپنے مذہبی اصول کو منوانے اور دیگر مذاہب کی آزادی کو سلب کرنے کے لئے جنگ کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اور یہ کہ اس میں کوئی ذاتی جذب اور کشش نہیں جس سے لوگوں کے قلوب کو اپنی طرف مائل کر سکے۔

پس ان حالات میں ان غلط الزام کی تردید ہر ہی خواہ اسلام کا اولین فرض ہے۔

اسلام میں جبر کی ممانعت

پیشتر اس کے کہ میں اس سوال کا تفصیلی جواب دوں میں اپنے مضمون کے شروع میں ہی اس کا ایک اصولی جواب دے دینا چاہتا ہوں۔ کہ اسلام نے اپنے اصول کو منوانے کے لئے یا دیگر اقوام کی مذہبی آزادی کو سلب کرنے کے لئے جنگ کی قطعاً اجازت نہیں دی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ کہ دین کے معاملہ میں کسی قسم کا جبر جائز نہیں۔ کیونکہ ہدایت کا راستہ گمراہی کے راستہ سے خوب ظاہر ہو چکا ہے۔

اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو نہ صرف اسلامی اصول کو جبراً پھیلانے سے روک دیا ہے۔ بلکہ دوسرے لفظوں میں دیگر اقوام کی مذہبی آزادی سلب کرنے کی بھی ممانعت کر دی ہے۔ اور اس حکم کی معقولیت کو مبرہن کرنے کے لئے یہ دلیل بیان کی ہے کہ ہدایت اور گمراہی میں اسلام کے ذریعہ ایک بیّن امتیاز قائم کر دیا گیا ہے۔ اس لئے ایسے مذہب کے ماننے والوں کی طرف سے جس نے ہدایت اور گمراہی میں بین امتیاز قائم کر دیا ہو اپنے اصول کو منوانے کے لئے جبر سے کام لینا معقول امر نہیں۔

پس جب اسلامی تعلیم کے لحاظ سے کوئی مسلمان کسی دوسری قوم کی مذہبی آزادی کو سلب نہیں کر سکتا۔ تو پھر اسلام کے خلاف یہ اعتراض کرنا کہ وہ اپنے اصول کو منوانے کے لئے جنگ کرنا ضروری قرار دیتا ہے ایک سخت بے بنیاد الزام ہے ہاں چونکہ مسلمانوں کو بعض ناگزیر حالات میں بعض غیر اقوام سے جنگ کرنا پڑا ہے۔ اس لئے اعدائے اسلام ازراہ شرارت ان جنگوں کی غرض از خود یہ قرار دے لیتے ہیں کہ اسلام اپنے مذہبی اصول کو تلوار کے زور سے منواتا ہے۔ اور دوسری اقوام کی مذہبی آزادی کو جنگ کے ذریعہ سلب کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس اصولی جواب کے ساتھ ہی اس امر پر بھی بالاختصار روشنی ڈال دی جائے کہ کن ناگزیر حالات میں مسلمانوں کو جنگ کرنا پڑا۔ اس سوال کے جواب کے لئے مجھے اپنی طرف سے کچھ پیش کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ خود اسلامی تعلیم اور تاریخ اسلام میں اس کا پورے بسط اور تفصیل سے جواب موجود ہے۔

مکی زندگی میں کفار کے مظالم

اس بات کو تو اسلامی تاریخ کا ہر مبتدی بھی جانتا ہے کہ مکی زندگی میں تیرہ سال کا لمبا عرصہ مسلمانوں اور ان کے مقدس رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو مخالفین کے ہاتھوں وہ وہ اذیتیں برداشت کرنی پڑیں کہ ان کا تصور کر کے بھی ایک ہمدرد انسانیت کا دل کانپ اٹھتا ہے۔ دشمنان اسلام مسلمان مردوں اور عورتوں کو وحشیانہ طریق سے بے دریغ قتل کرتے تھے۔ عرب کے صحرا میں کڑاکے کی گرمی میں اس ریت پر جو تنور کی طرح گرم ہوتی۔ مسلمانوں کو صرف اس جرم کی بناء پر گھسیٹا جاتا۔ کہ وہ کیوں خدا تعالےٰ کی وحدانیت کے قائل ہیں۔ ان کی ٹانگوں میں رسیاں ڈال کر انہیں گھسیٹا جاتا۔ پھر ایک لمبے عرصہ کے لئے مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا گیا اور وہ معمولی خورد و نوش کے سامان سے بھی محروم کر دئیے گئے۔ یہانتک کہ درختوں کے پتے کھا کر انہوں نے یہ صعوبت و ابتلا کا زمانہ گزارا۔ غرضیکہ اس نیلگوں آسمان کے نیچے مسلمانوں پر وہ ظلم روا رکھا گیا۔ جسے سن کر انسانیت مارے شرم کے اپنا منہ چھپا لے۔

ان وحشیانہ مظالم کو دیکھ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رض کو ہجرت کا حکم دے دیا۔ اور یوں یہ مظلوم مسلمان ان سفاک اعداء کے ہاتھوں اپنا عزیز وطن چھوڑنے کے لئے مجبور ہوئے۔

اب اعداء نے یہ ٹھان لی کہ سب سے بڑے اور انتہائی ظلم کی تیاری کی۔ یعنے اپنے دارالندوہ میں قبائل مشرکین نے جمع ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قتل کر دینے کا قطعی فیصلہ کر دیا۔ اس پر اللہ تعالےٰ کے حکم کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے عزیز وطن کو ترک کر کے مدینہ منورہ جانے پر مجبور ہوئے لیکن مشرکین مکہ کو اس پر بھی صبر نہ آیا۔ اور وہ نہتے اور غریب الوطن مسلمانوں کے کامل استیصال کی تیاری کرنے لگے اور بالآخر ایک جرار لشکر لے کر جو نہایت ہی تجربہ کار جرنیلوں پر مشتمل تھا۔ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی۔

مدافعانہ جنگ کی اجازت

اب جبکہ مشرکین مکہ کا ظلم انتہا کو پہونچ گیا۔ اور مسلمانوں کی مظلومیت کامل طور پر واضح ہو چکی۔ تو اس موقعہ پر اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو اپنی خود حفاظتی کے لئے مدافعانہ جنگ کی اجازت دے دی۔ اور فرمایا اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (سورہ حج رکوع ۶) کہ ان لوگوں کو جن سے لڑائی کی جا رہی ہے (یعنے مسلمانوں کو) جنگ کی اجازت اس لئے دی گئی ہے کہ وہ یقیناً مظلوم ہو گئے۔ یعنے اب ان کی کامل مظلومیت میں کوئی شبہ کا پہلو باقی نہیں رہا۔ اور بے شک اللہ تعالےٰ ایسے مظلوموں کی مدد پر قادر ہے۔ یعنے اب اللہ تعالےٰ ان کی مدد کر کے اپنی قدرت نمائی کرے گا۔

میں نہیں خیال کر سکتا ایسے دشمنوں کے مقابلہ میں مدافعانہ جنگ کو دنیا کا کوئی مہذب اور شریف اور انسانیت سے ہمدردی رکھنے والا انسان ناجائز قرار دے۔ بلکہ مجھے کامل یقین ہے کہ ہر سلیم الفطرت ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ان کی زندگی کے قیام اور مذہبی حفاظت کے لئے جنگ کو ضروری قرار دے گا۔

یہ وہ حالات ہیں جن کے ماتحت مسلمان مدافعانہ جنگ کے لئے مجبور ہوئے۔ اور چونکہ مومنوں کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک نمونہ ہے۔ اس لئے اصولی طور پر جنگوں سے ہمیں یہ ہدایت ملتی ہے کہ مسلمان مذہبی جنگ صرف اسی وقت اور اسی صورت میں کر سکتے ہیں۔ جبکہ دوسری قوم ان کی مذہبی آزادی سختی اور جنگ کے ذریعہ چھیننا چاہے۔

اسلام اور مذہبی آزادی

اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ جب مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کی اجازت دیدی گئی۔ تو اب ان کو دوسری اقوام کی مذہبی آزادی کو سلب کرنے کا حق بھی دے دیا ہوگا۔ تو اس کے متعلق یاد رہے۔ کہ مسلمانوں کو دشمنان اسلام سے برسرپیکار ہونے کی حالت میں بھی بلکہ فاتح ہونے کی صورت میں بھی دیگر اقوام کی مذہبی آزادی کے سلب کرنے کا کوئی حق نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت

دیتے ہوئے فرما دیا ہے:
قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (بقرہ ع ۲۴) کہ اللہ کی راہ میں انہی لوگوں سے لڑائی کرو۔ جو تم سے لڑائی کرتے ہیں۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت میں وضاحت سے بتا دیا گیا ہے۔ کہ دینی لڑائی صرف انہی لوگوں سے ہو سکتی ہے جو لڑائی کے ذریعہ مسلمانوں کی مذہبی آزادی کو سلب کرنا چاہتے ہوں مگر اس میں اعتدا یعنی حد سے بڑھنے سے مسلمانوں کو روک دیا۔ اور وہ حد اللہ تعالیٰ خود بتا چکا ہے کہ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ یعنے دین کے معاملہ کسی پر جبر نہ ہو۔

ایک اعتراض کا جواب

بعض معترض کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں لکھا ہے فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ (سورۃ توبہ رکوع ۹) کہ تم مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ سو اس کے متعلق یاد رہے کہ یہ حکم صرف حربی مشرکین کے لئے ہے۔ یعنی ان مشرکین کے لئے ہے جو مسلمانوں سے برسرپیکار تھے۔ اور جن کی طرف سے جنگ کی ابتداء ہو چکی تھی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے وَھُمْ بَدَءُوْکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ۔ (سورۃ توبہ ع ۱۰) کہ انہوں نے تم سے لڑائی کی ابتداء کی ہے۔ چنانچہ زیر بحث آیت سے پہلے انہی مشرکوں کا ذکر ہے۔ جنہوں نے معاہدہ توڑ ڈالا تھا۔ پس اس آیت میں منکرین اسلام کو قتل کرنے کا حکم نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو اسی حکم کے آگے نہایت واضح الفاظ میں فرماتا ہے اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ اسْتَجَارَکَ فَاَجِرْہُ۔ اگر ایسے حربی مشرکوں میں سے بھی کوئی تم سے پناہ مانگے۔ تو اے مسلمو اسے پناہ دو۔

پھر نہایت ہی واضح الفاظ میں فرماتا ہے فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْھِمْ سَبِیْلًا (سورہ نساء ع ۱۲) کہ اگر کفار تم سے کنارہ کش ہوں۔ اور صلح کا پیغام بھیجیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایسے موقع پر تمہیں لڑنے کا اختیار نہیں دیا۔

پھر فرمایا۔ قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْ لَھُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ (انفال) کہ کافروں سے کہہ دو۔ کہ اگر وہ لڑائی سے باز رہیں۔ تو ان کے گذشتہ جرم معاف کر دئیے جائیں گے۔

غور کریں کیسی رحم دلی اور شفقت کی تعلیم ہے۔ پھر اگر ہر مشرک کا قتل اسلام میں جائز ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتا کہ اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ اِلٰی مُدَّتِھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ (توبہ رکوع ۹) یعنے جن مشرکوں سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے۔ اور انہوں نے بھی اس سے انحراف نہیں کیا۔ اور نہ ہی تمہارے خلاف کسی کو امداد دی ہے۔ تو تم بھی (اے مسلمانو) اس عہد پر عہد کی مقررہ میعاد تک قائم رہو۔ اور بے شک اللہ پرہیزگاروں کو ہی دوست رکھتا ہے۔

پھر فرماتا ہے۔ لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (ممتحنہ) کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے نیکی اور انصاف کے معاملہ سے منع نہیں کرتا۔ جنہوں نے تم سے دینی جنگ نہیں کی۔ اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو ہی دوست رکھتا ہے۔

ایک آیت سے غلط استدلال

بعض معترض کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں تو لکھا ہے۔ قَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ (انفال ع ۵) کہ ان سے اس وقت تک لڑو کہ فتنہ نہ رہے۔ اور یہ کہ تمام دین اللہ کے لئے ہو جائے۔ اس آیت کو پیش کر کے کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمانوں کو اس وقت تک کفار سے لڑائی کا حکم ہے۔ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں۔ اور گویا دوسرے لفظوں میں اسلامی جنگیں کرنے کا حکم کفار کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے دیا گیا ہے۔

افسوس کہ معترضین اس آیت پر دیانت داری سے غور نہیں کرتے۔ بعض سابقہ پیش کردہ آیات گواہ ہیں۔ کہ کفار اگر صلح کریں تو مسلمانوں کو ان سے جنگ کی اجازت نہیں دی گئی۔ پھر اس آیت کے یہ معنے کرنا ہرگز درست نہیں کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں جنگ جاری رکھو۔ بلکہ یکون الدین کلہ للّٰہ کے معنے یہ ہیں کہ اس رنگ کا فتنہ اٹھ جائے۔ کہ کوئی کسی مذہب کو دوسرے کے ڈر کے مارے اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ پس اس آیت میں تو جو کچھ معترض کہتے ہیں اس کے برعکس مذہبی آزادی کی تعلیم دی گئی ہے۔ نہ کہ مذہبی آزادی سلب کرنے کی۔

مسلمانوں کی حکومت میں رہنے والے کافروں کو اور معاہد کفار کو اپنے دین کے معاملہ میں اسلام کامل آزادی دیتا ہے۔ اور ان پر مذہبی امور میں کسی قسم کے جبر کو جائز نہیں رکھتا۔ یہ ایک بالکل واضح اور بیّن حقیقت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ دشمنانِ اسلام۔ اسلام کے محاسن کو چھپا کر غلط باتیں اس کی طرف منسوب کر کے اسے بدنام کرنا چاہتے ہیں

پس اسلام میں مذہبی جنگ کرنے کی اجازت صرف ایسی ہی قوم سے دی گئی ہے جو مسلمانوں کی مذہبی آزادی اور مذہبی امن کو برباد کرنے کے لئے برسرپیکار ہو۔ یا ایسے لوگوں کی معاون ہو۔ جو مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب کرنا چاہتے ہوں اور جب ایسے لوگ بھی صلح کی طرف مائل ہو جائیں اور بدامنی کو مٹا دینے کا معاہدہ کر لیں۔ تو مسلمانوں کو یہی حکم ہے۔ کہ ان سے صلح کر لیں۔ کیونکہ اسلام کے نزدیک ہر حال میں دنیا کا امن نہایت ضروری شے ہے۔

مخالف مؤرخین کی آراء

یہ حقیقت کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مذہبی جنگیں صرف مدافعانہ رنگ میں لڑی ہیں ایک ایسی بیّن حقیقت ہے۔ جسے اسلام کے مخالفین میں سے متعصب مصنفین ماننے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سر ولیم میور سیرت محمدیؐ جلد ۳ صفحہ ۹۷ پر یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوا ہے کہ "مسلمانوں کے مکہ سے نکالے جانے کی وجہ سے ان کی جنگیں حق بجانب تھیں"

طامس کارلائل لکھتا ہے:" اب تک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے صرف وعظ و تلقین کا طریقہ اختیار کیا ہوا تھا۔ لیکن اب جو بُرے طور پر اس کو وطن سے نکالا گیا۔ اور نامنصف لوگوں نے نہ صرف اس کے سچے پیغام آسمانی کے سننے میں بے پرواہی ظاہر کی۔ بلکہ خاموشی اختیار نہ کرنے کی حالت میں اس کی جان کے خواہاں ہو گئے تو محمد (صلعم) ایک عرب جوانمرد شخص کی طرح اپنے آپ کو بچانا چاہا۔ اس نے خیال کیا۔ کہ اگر قریش کی یہی مرضی ہے تو اچھا یونہی سہی۔ جو پیغام قوم قریش اور تمام انسانوں کے لئے نہایت اہم تھے انہوں نے اس کے سننے سے انکار کیا اور ظلم و ستم اور آہن و قتل کے ذریعہ ان کو ملیامیٹ کرنا چاہا۔ تو لوہے کا مقابلہ لوہے سے کرنا پڑا۔ چنانچہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دس برس جنگ و جدال اور سخت محنت اور انتہائی کشمکش میں گذرے۔ اور اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا۔ اس سے ہم سب آگاہ ہیں"

غرضیکہ مخالف مؤرخین بھی اس بات پر اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے ہیں۔ کہ مسلمانوں کی لڑائیاں خود حفاظتی کے لئے تھیں۔ یہ صرف مدافعانہ اقدام تھا۔ تاکہ دشمن ان کی مذہبی آزادی سلب نہ کرے۔

پس مندرجہ عنوان سوال کا جواب اسلام کی طرف سے یہ ہے کہ اسلام صرف مسلمانوں کی مذہبی آزادی سلب کرنے کی کوشش کرنے والوں سے ہی مذہبی جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ اور ایسی جنگ کو تمام مہذب دنیا۔ اور سلیم الفطرت انسان نہ صرف جائز بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا جنگی قیدیوں پر عدیم المثال احسان

(از جناب خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے۔ واقف تحریک جدید)

انسان اور جنگ

جب تک دنیا قائم ہے۔ جنگ وجدال کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ انسان انسان میں اختلاف ہوتے ہی رہتے ہیں۔ ملکوں کے مفاد آپس میں ٹکرا جاتے ہیں۔ بین الاقوامی الجھنیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ جس کا نتیجہ بسا اوقات لڑائی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ دنیا کی تاریخ ایسی جنگوں سے بھری پڑی ہے۔ کوئی ملک اس سے خالی نہیں۔ کبھی تو یہ جنگیں فطرت انسانی کے صحیح تقاضا کے ماتحت ایسے معقول اسباب کی بنا پر لڑی گئیں۔ جبکہ اس کے سوا چارہ کار نہ تھا۔ لیکن کبھی ان کا مقصد محض حرصِ جہانگیری وجہانبانی ہوتا رہا۔ ان جنگوں نے اکثر دفعہ نہایت ہی خوفناک نتائج پیدا کئے ہیں۔ کبھی ایک ملک میں جنگ کا شعلہ اٹھا۔ دو قومیں آپس میں الجھیں۔ اور پھر یہ آگ اپنی شدت میں بڑھتی ہوئی جہنم کا نمونہ بن گئی۔ دوسری قومیں اور دوسرے ملک بھی اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہؤا۔ کہ یہ سلسلہ ایک دو سال سے بڑھ کر بیسیوں سالوں پر پھیلتا چلا گیا اور اس وقت ہی بس ہؤا۔ جبکہ ہزاروں لاکھوں انسان اس دوزخ میں بھسم ہو گئے۔ انسانی جذبۂ بہیمیت وانتقام نے ہیبت ناک نظارے دکھائے ہیں۔ دشمن کی ہر چیز قبضہ میں کر لینا یا تباہ کر دینا معمولی بات سمجھا گیا۔ فصلیں۔ مکان اور آبادیاں جلا دی گئیں۔ عورتوں کی عفت وعصمت کو برباد کیا گیا۔ مفتوح قوم کے افراد کو سخت ترین اذیتیں اور نہایت ہی بھیانک عذاب دے کر ہلاک کیا گیا۔ الغرض ہر قسم کا ظلم جائز اور ہر قسم کا ستم روا سمجھ کر اپنے انتقامی جذبات کی سیری کی گئی۔

جنگ کے متعلق مذاہب کا نظریہ

لاتعداد درود وسلام سید المرسلین۔ رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوں۔ کہ حضور کی رحمت کی چادر ہر فرد وبشر پر حاوی ہے۔ کتنا پیارا، کتنا کامل، کتنا حکیمانہ مذہب اسلام ہے۔ جو آپ کے ذریعہ سے اللہ العالمین نے دنیا پر نازل کیا۔ انسانیت کا کونسا حصہ ہے جس کے لئے اسلام شمعِ راہ نہیں بنتا؟ اور حیات انسانی کی کونسی جہت ہے جو اسلامی تعلیم کی محتاج نہیں؟ امن کی حالت میں انسانی جذبات میں سکون ہوتا ہے۔ طبائع ضبط میں ہوتی ہیں۔ ایسے وقت میں تو اکثر مذاہب انسانوں کو ایک دوسرے سے اچھا سلوک کرنے کی تلقین کرتے ہی ہیں۔ لیکن کسی مذہب کے کمال کا اندازہ کرنے کے لئے ہمیں اس تعلیم کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ جو وہ مذہب اپنے متبعین کو لڑائی اور جنگ کے وقت میں دیتا ہے۔ ایسے وقت میں اس مذہب کے متبعین کا مفاد غیروں سے متغائر ہوتا ہے۔ اس لئے انصاف اور عدل کے پاکیزہ معیار کو قائم رکھنے میں ہمیں افراط وتفریط کی راہیں نظر آتی ہیں۔ یا تو بعض مذاہب جنگ کو سرے سے ناجائز قرار دے کر مظلوم کو اتنی اجازت بھی نہیں دیتے۔ کہ وہ اپنی ہستی کو برقرار رکھنے۔ اپنے مال ومتاع اور اپنی ماؤں اور بیٹیوں کی عزت کو بچانے اور اپنی آزادی کو محفوظ رکھنے کے لئے ظالم کے ظلم وستم کا مقابلہ کرے۔ یا پھر بعض مذاہب اپنے دشمن کے خلاف اتنی خطرناک اور اتنی بھیانک تعلیم دیتے ہیں۔ کہ اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

اسلامی تعلیم ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ اسلام جہاں ظلم وستم کے خلاف آواز بلند کرنے کو مختلف صورتوں کے لحاظ سے مختلف طریق سے جائز قرار دیتا ہے۔ وہاں ایسے مواقع پر جب جنگ ضروری ہو۔ اس کے متعلق ایسے حکیمانہ قانون پیش کرتا ہے۔ کہ کسی انسان اور کسی قوم پر ناجائز جور وتعدی اور ناروا ظلم نہ ہو سکے۔ اس مضمون میں تمام قوانین کی تفصیل پیش کرنا مقصود نہیں۔ بلکہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پاکیزہ تعلیم کا مختصر ذکر مقصود ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی قیدیوں سے سلوک کے بارے میں دی ہے۔

قیدی اور زمانہ جاہلیت

جب دو قومیں انتقام کے جذبہ سے بھری ہوئی آپس میں ٹکرا جاتی ہیں، میدان کارزار بپا ہوتا ہے۔ تو جہاں بہت سے انسان مقتول اور بہت سے مجروح ہوتے ہیں۔ وہاں اکثر ایک دوسرے لشکر کے ہاتھوں اسیر بھی ہوتے ہیں۔ اور چونکہ یہ قیدی پوری طرح ان کے بس میں ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے ساتھ ہر قسم کا ظلم وجبر جائز سمجھا جاتا ہے۔ عرب کی تاریخ کو ہی دیکھ لو۔ جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا رہا۔ قیدیوں کو غلام بنا کر ان سے انتہائی تحقیر کا سلوک کیا جاتا۔ اور ان کو ذلیل اور پست ترین معیار زندگی پر صرف خدمت کے لئے ہی زندہ رکھا جاتا۔ جنگ اوارہ کا واقعہ عرب کی تاریخوں میں مذکور ہے۔ کہ بنی شیبان کے جتنے اسیر منذر بن امرؤالقیس کے ہاتھ آئے۔ اُن سب کو اس نے کوہ اوارہ کی چوٹی پر بٹھا کر قتل کرانا شروع کیا۔ اور کہا کہ جب تک ان کا خون پہاڑ کے نیچے تک نہ پہنچ جائے دم نہ لوں گا۔ حتیٰ کہ مقتول سینکڑوں سے متجاوز ہو گئے۔ اور اُسے اپنی قسم پوری کرنے کے لئے خون پر پانی ڈلوانا پڑا۔ اسی طرح امراء القیس کے باپ حجر بن حارث نے جب بنی اسد پر چڑھائی کی تو ان کے تمام قیدیوں کو ڈنڈوں سے مار مار کر ہلاک کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کا عکل اور عرینہ کا واقعہ حدیثوں میں مذکور ہے۔ کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کو پکڑ کر لے گئے۔ اُن کے ہاتھ پاؤں کاٹے اُن کی آنکھیں پھوڑ دیں اور پھر تپتی ہوئی گرم ریت پر ڈال دیا۔ حتیٰ کہ پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر وہ مر گئے۔ ان مثالوں سے زمانۂ جاہلیت میں عربوں کا قیدیوں سے سلوک ظاہر ہے۔

قیدی اور بدھ مذہب

جیسا کہ شروع میں لکھا گیا ہے بعض مذاہب تو اس قدر تفریط کی طرف چلے جاتے ہیں۔ کہ وہ جنگ کے متعلق قوانین بنانا تو کجا زندگی بسر کرنا بھی انسان کے لئے ناممکن بنا دیتے ہیں۔ مثلاً موجودہ بدھ مذہب انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ دنیا اور اسکے معاملات سے کلیتہً بے تعلقی رکھی جائے اس لئے بدھ مذہب کی تعلیم میں جنگ اور اس کے متعلقہ قوانین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اس بے تعلقی کا تلخ نتیجہ یہ ہؤا ہے۔ کہ جہاں کہیں اس مذہب کے خلاف تلوار اٹھی۔ اُسے میدان خالی کر دینا پڑا۔ اور وہاں سے بدھ ازم کی تعلیم اور اس کی ہستی ہی مفقود ہو گئی۔ ہندوستان بدھ ازم کا مولد ہے۔ اور شروع شروع میں نہایت ہی سرعت کے ساتھ یہاں کے بسنے والے اس کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ لیکن جب برہمنی مذہب اس سے برسرپیکار ہؤا۔ تو بدھ مذہب ہندوستان سے ایسا مٹا۔ کہ اب یہاں خال خال ہی اس کے پیرو نظر آتے ہیں۔ اس لئے ایسے مذاہب سے تو اسلامی تعلیم کے مقابلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جو دشمن کے سامنے اپنی ہستی کو ہی معدوم کر دیں۔

جنگی اسیر اور ہندو مذہب

ہندو مذہب کا ایک بنیادی مسئلہ ذات پات کا امتیاز ہے۔ یہ تمیز کس طرح پیدا ہوئی۔ اس کے متعلق تاریخی شہادتیں ہماری یہ راہنمائی کرتی ہیں۔ کہ جب آرین اقوام نے ہندوستان پر حملہ کیا۔

تو یہاں کے قدیم اصلی باشندوں کو زیر اثر لانے کے بعد انہیں غلام بنایا گیا۔ اور انہیں شودر کا خطاب دیا گیا۔ پروفیسر ہاپکنس لکھتا ہے:۔

"غلام شودر اور نیچے طبقے کے لوگ اجتماعی عمارت کے اجزاء تسلیم کئے گئے ہیں۔ خود یہ نام ہی بتاتا ہے۔ کہ شودر دراصل مفتوح قوم کے لوگ تھے۔"

ڈاکٹر بریڈل کیتھ یوں رقمطراز ہے:۔

"آریوں اور شودروں میں بڑا اور اہم فرق رنگ کا ہے۔ کالے چمڑے کو مغلوب کرنا دراصل ویدک ہندو کے نزدیک، اہم اصول سے ہے۔"

(الجہاد فی الاسلام بحوالہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا)

اس امر کے ثابت ہو جانے کے بعد کہ شودر حقیقتاً مفتوح اقوام ہیں۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ کہ ہندو مذہب نے جنگی مفتوحین سے کیسا سلوک کیا تفصیلات کے لئے ہمیں منو کے دھرم شاستر کی طرف جانا چاہیئے۔ جو ہمیں بتاتا ہے۔ کہ شودر فطرتاً ذلیل ہے۔ اس کا ازلی اور مستقل پیشہ خدمت گاری اور غلامی ہے۔ وہ نہ صرف بالذات نجس۔ کمینہ اور ناپاک ہے۔ بلکہ اس کا سایہ بھی ناپاک کر دیتا ہے۔ منو شاستر کی رو سے اُسے وید کے سننے کی بھی اجازت نہیں اور اس کی غلامی اتنی مضبوط ہے۔ کہ اگر اس کا آقا اُسے آزاد کر دے تب بھی وہ آزاد نہیں ہو سکتا۔ اُسے اپنی گاڑھے پسینہ کی کمائی ہوئی جائیداد اور دولت پر بھی کوئی حق حاصل نہیں۔

الغرض اس کی آزادی، اس کی عزت اور اس کے حقوق کو اس بُری طرح سلب کیا گیا ہے۔ کہ گویا وہ انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں۔

یہودی مذہب اور جنگی قیدی

یہودی مذہب کے جنگی قیدیوں سے سلوک کے لئے ہمیں موجودہ بائیبل کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ کتاب خروج باب $\frac{۳۴}{۱۲-۱۳}$ میں ہے:۔

"ہوشیار رہ تا نہ ہو کہ تو اس سرزمین کے باشندوں کے ساتھ جس میں تو جاتا ہے کچھ عہد باندھ لیوے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ وہ عہد تیرے درمیان پھندا ہو۔ بلکہ تم ان کی قربان گاہوں کو ڈھا دو۔ اور اُن کے بتوں کو توڑ دو۔ اور ان کی یسیرتوں کو کاٹ ڈالو۔"

اعداد باب $\frac{۳۱}{۹-۱۱}$ میں یوں مذکور ہے:۔

"بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا۔ اور ان کے مویشی اور بھیڑ بکری اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا۔ اور ان کے سارے شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے۔ اور ان کے سب قلعوں کو پھونک دیا۔"

مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا اس کے لئے کتاب یشوع باب ۸ کو ملاحظہ فرمایئے۔ جس میں یہ ذکر ہے کہ بنی اسرائیل نے اُن سب کو جو عی شہر میں تھے کیا مرد۔ کیا عورت کیا جوان۔ کیا بوڑھا۔ کیا بیل۔ کیا بھیڑ کیا گدھا۔ سب کو یک لخت تہ تیغ کر کے حرم کیا (یعنی قتل کیا) اور "پھر انہوں نے اس شہر کو ان سب سمیت جو اس میں تھا پھونک دیا..... وہ جو اس دن مارے گئے۔ مرد اور عورت بارہ ہزار تھے۔"

ان حوالوں سے ظاہر ہے۔ کہ یہودی مذہب جنگی قیدیوں اور مفتوحین کو کس طرح تہس نہس کرتا۔ اور ان کی بستیوں۔ مویشیوں۔ کھیتوں اور عمارات کو برباد کرتا ہے۔ پس یہودی مذہب بھی جنگی اسیروں کو ذلیل ترین پوزیشن دیتا ہے۔

عیسائیت اور جنگی قیدی

مسیحیت کی تعلیم رہبانیت کی تلقین کی وجہ سے بہت حد تک بدھ ازم سے مشابہ ہے۔ اور اگرچہ ایک طرف حضرت مسیحؑ یہ دعوے کرتے ہیں۔ کہ میں توریت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ قائم کرنے آیا ہوں۔ لیکن دوسری طرف "آسمانی بادشاہت" میں داخلہ کے لئے یہ بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ کہ کوئی ایماندار مسیحی "شریر کا مقابلہ" نہ کرے۔ بلکہ ایک گال کے ساتھ دوسرا اور کُرتے کیساتھ چوغہ بھی پیش کر دیں۔ یہ تعلیم بظاہر خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ جو اس دنیا میں بدھ مذہب کی طرح بالکل ناممکن العمل ہے۔ کیونکہ اس پر عمل کر کے کوئی انسان اور کوئی قوم اپنی ہستی کو موجودہ زمانہ میں برقرار نہیں رکھ سکتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ عیسائی بادشاہوں اور حکومتوں نے عیسویت کے اقتدار سے لے کر اب تک مسلسل اور پیہم اس انجیلی قانون کی خلاف ورزی کی ہے۔ سینکڑوں ہزاروں لڑائیاں لڑیں جن میں مفتوحین سے بسا اوقات نہایت ہی ذلیل سلوک کیا گیا۔ روم پر قبضہ کے بعد رومی مفتوحین کے لئے عبادت کرنا ایسا جرم قرار دیا گیا۔ کہ جس کا مرتکب شدید سزا کا مستوجب تھا۔ انکو درندوں سے پھڑوایا جاتا۔ سوسائٹی میں سب سے نیچا درجہ انہیں دیا گیا۔ اُن کے کوئی معیّن حقوق نہ تھے۔ اور نہ ہی اُن کی جان کی کوئی قیمت تھی۔ الغرض عیسائیت کی تعلیم جنگ کے بارہ میں نہایت ہی غیر معقول اور ناممکن العمل ہے۔ اور عیسائی حکومتوں کا جنگی قیدیوں سے سلوک نہایت ہی بھیانک ہے۔

جنگی قیدیوں کے متعلق بین الاقوامی قانون

موجودہ بین الاقوامی قانون میں قیدیوں کی پوزیشن پر غور کرتے ہوئے ہمیں یہ امر ضرور ذہن نشین رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ کوئی ایسا محکم ضابطہ نہیں۔ کہ حکومتیں اس کی تعمیل پر مجبور ہوں۔ ایک عام اخلاقی دباؤ سے زیادہ اس کی وقعت نہیں۔ یہ قانون آئے دن ٹوٹتے رہتے ہیں۔ اور پرواہ بھی نہیں کی جاتی۔ موجودہ جنگ میں ہی بیسیوں دفعہ جرمنی وغیرہ نے اس کو پائے استحقار سے ٹھکرا دیا ہے۔ لیکن دوسری حکومتیں ٹس سے مس نہیں ہوتیں۔ اس لئے اگر ہمیں اس قانون میں جنگی قیدیوں کے لئے بظاہر خوشنما دفعات نظر آئیں تو پھر بھی اس کی کوئی زیادہ اہمیت نہیں دوسری بات یہ بھی قابل غور ہے۔ کہ جنگی قیدیوں سے بہتر سلوک کی اصل بنیاد ہر دو متخالف حکومتوں کے مشترکہ مفاد پر وابستہ ہے۔ اس لئے اگر ایک حکومت جنگی قیدیوں سے ذلت آمیز سلوک کرے تو دوسری حکومت اپنے قیدیوں سے اچھا سلوک کرنے پر مجبور نہیں ٹھہرتی۔ پس اگرچہ ان کے اس قانون میں بعض دفعات ایسی رکھی گئی ہیں۔ کہ قیدیوں سے اہانت آمیز سلوک نہ ہو۔ لیکن یہ دیکھتے ہوئے کہ نہ حکومتیں اسکو اہمیت دیتی ہیں۔ اور نہ اس کی تعمیل پر مجبور رہتی ہیں۔ اس کی وقعت بالکل گر جاتی ہے۔

اسلام اور جنگی قیدی

اب ہمیں اسلام کی پاکیزہ تعلیم کو دیکھنا چاہیئے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ حتّٰی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتّٰی تضع الحرب اوزارھا۔ (سورہ محمدؐ)

یعنی جب تم فتحمند ہو جاؤ۔ تو پھر دشمنوں کو قید کر لو۔ اور پھر چاہے احسان مند بنا کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر۔ حتّٰی کہ لڑائی بند ہو جائے۔

دوسری جگہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔ ویطعمون الطعام علیٰ حبہٖ مسکیناً ویتیماً واسیرا۔ انما نطعمکم لوجہ اللّٰہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا۔

اس آیت میں خدا تعالیٰ ابرار کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ وہ مسکینوں۔ یتیموں اور اسیروں کو اللہ کی محبت کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں۔ اور ان کو خطاب کر کے کہتے ہیں۔ کہ ہم تم کو صرف خدا تعالیٰ کی خاطر کھلاتے ہیں۔ ہم نہ اس کا بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔ ان آیات سے اسلامی شریعت کے قیدیوں کے متعلق مندرجہ ذیل قوانین مستنبط ہوتے ہیں:۔

(۱) حتّٰی تضع الحرب اوزارھا کہہ کر بتایا۔ کہ یہ جنگی قیدی صرف اس وقت تک ہی رکھے جا سکتے ہیں۔ جب تک جنگ جاری ہو۔ لیکن جب جنگ ختم ہو جائے۔ یا زیادہ سے زیادہ جنگ کی وجہ سے پڑے ہوئے بوجھ دُور ہو جائیں۔

تو اس کے بعد قیدی رکھنے کی اجازت نہیں۔

(۲) اما منّاً بعد واما فداء میں یہ تعلیم دی۔ کہ قیدیوں کو صرف فدیہ لیکر یا بطور احسان آزاد کردو۔

(۳) ویطعمون الطعام میں نیک اور متقی مسلمان کی یہ تعریف کی۔ کہ وہ خدا کی رضاء اور خوشنودی کی خاطر قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ اور اس کے بدلہ میں قیمت یا اُجر کے طالب نہیں ہوتے۔

یہاں اس امر پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔ کہ جو تعلیم قیدیوں سے سلوک کے متعلق توانین بیان کرتے ہوئے بنیاد ہی خدا کی رضاء اور احسان پر رکھتی ہے۔ وہ اپنے متبعین سے کتنے رحم و لطف کا مطالبہ کریگی۔ ترمذی ابواب السیر میں جنگی قیدیوں کے متعلق آتا ہے۔ کہ:۔

من فرّق بین والدۃ و ولدھا فرّق اللّٰہ بینہٗ وبین احبتہٖ یوم القیٰمۃ

کہ جس نے (قیدیوں میں سے) ماں اور اس کے بچے کے درمیان تفریق کی۔ اُسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے اور اُس کے احبّاء کے درمیان تفریق ڈالیگا۔ پس اس حدیث کے ماتحت مسلمانوں کے لئے یہ بھی جائز نہیں کہ وہ قیدیوں میں سے قریبی اور خونی تعلق کے رشتہ داروں کو علیحدہ علیحدہ رکھ سکیں۔ بلکہ جہاں ان کی خوراک اور ان کے لباس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ وہاں ان کے جذبات کا احترام بھی لازمی ہے۔

سبحان اللہ! کتنی بے مثال تعلیم ہے۔ کونسا مذہب ہے۔ جو دشمن کے ساتھ عین اس وقت بھی اتنے کریمانہ سلوک کی تلقین کرے۔ جبکہ وہ اپنے بس میں آچکا ہو۔ اور انتقام کا پورا موقعہ ہو۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا عدیم النظیر نمونہ

قرآنی احکام کی روشنی میں جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاکیزہ زندگی پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمیں تحیّر خیز نظارے نظر آتے ہیں۔ آپ کے پاس وہ قیدی آتے ہیں۔ جنہوں نے آپ پر عرصہ حیات کو تنگ کیا۔ کونسا ظلم تھا۔ جو انہوں نے اٹھا رکھا۔ کونسی تکلیف تھی۔ جو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو نہ دی گئی۔ کونسی اذیّت تھی جو مسلمانوں کے لئے جائز نہ سمجھی گئی۔ ایسے وقت میں جب اتنی خطرناک تکلیفیں دینے والے شقی القلب کفار ایک عام انسان کے بس میں آجائیں تو وہ اس سے جو سلوک کر۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن سید المرسلین کا اسوۂ حسنہ ساری دنیا سے ممتاز ہے۔ باوجود اسکے کہ کفّار عام جنگی قیدی ہی نہیں۔ بلکہ ان کی ذاتی دشمنی بھی اس امر کے خلاف ہے۔ کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ پھر یہ خدشہ بھی ہے کہ وہ واپس جا کر دوسری لڑائی کے لئے دشمن کی طاقت میں یقیناً اضافہ کرنے کا موجب ہونگے لیکن وہ محسنِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان تمام باتوں کے باوجود اُن کو آزاد کر دیتا ہے۔ پھر جو قیدی نقدی کی صورت میں اپنا فدیہ نہیں دے سکتے ان پر اصرار بھی نہیں کیا۔ بلکہ اجازت دی۔ کہ اُن میں سے جو خواندہ ہوں۔ وہ مسلمانوں کے بچّوں کو معمولی پڑھنا لکھنا سکھا دیں اور ان کو رہا کر دیا جائے۔ جو قیدی یکدم فدیہ نہ دے سکتے تھے۔ اُن کے لئے مکاتبت کی اجازت دی۔ اور پھر جتنی دیر وہ قید رہے۔ اس عرصہ میں بھی اتنا بے نظیر سلوک کیا۔ کہ خود ان قیدیوں میں سے بعض جو اس حُسن سلوک سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئے بیان کرتے ہیں کہ اپنے بچّوں سے بڑھ کر ہماری آسائش کا خیال رکھا گیا۔ ایسے مواقع بھی پیدا ہوئے۔ جب کہ مسلمانوں کے پاس پیٹ بھر کر اپنے لئے کھانا اور تن ڈھانکنے کے لئے معمولی لباس بھی میسّر نہ تھا۔ لیکن ایسے وقت بھی انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاک تعلیم کے ماتحت قیدیوں کی ضروریات کو مقدم رکھا۔ لطف و عنایت کا یہ عالم ہے۔ کہ بعض دفعہ رؤساء کو بھی بغیر فدیہ لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ثمامہ بن آثال بنوحنیفہ کا سردار گرفتار ہوتا ہے۔ اس کو مسجد میں قید کیا جاتا ہے۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب کر کے کہتا ہے۔ کہ:۔ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر تم مجھے قتل کردگے۔ تو ایک خونی کو قتل کردگے۔ اور اگر احسان کردگے۔ تو ایک شکرگذار پر احسان ہوگا۔ اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو۔ تو تم مانگو۔ میں دونگا۔" لیکن باوجود اس کے کہ اس کو اپنے خونی مجرم ہونے کا خود اعتراف ہے۔ اور وہ فدیہ دینے کے قابل بھی ہے۔ آپ جذبۂ احسان ولطف کے ماتحت اس کو آزاد کر دیتے ہیں۔ جنگ بدر میں بہتّر قیدی آتے ہیں۔ آپ اُن میں سے ستّر کو آزاد کر دیتے ہیں۔ غزوہ بنوالمصطلق میں قریبًا ایک سو قیدی آتے ہیں۔ لیکن سب کو بلا معاوضہ آزاد کر دیا جاتا ہے غزوہ حنین میں قیدیوں کی تعداد چھ ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ لیکن محسنِ اعظم رحمۃ للعٰلمین ان کو نہ صرف آزاد ہی کرتا ہے۔ بلکہ ان میں سے مستحقین کو کپڑے بھی دلاتا ہے۔

الغرض حضورؐ کی حیاتِ طیّبہ کے جس پہلو پر بھی غور کرو۔ عقل حیران ہوتی ہے۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک ورق کائنات پر رحمت و احسان کی مجسّم داستان ہے۔ حضورؐ کی تعلیم کا معمولی سے معمولی جزو بھی دنیا بھر کے قانونوں تعلیموں اور مذاہب وادیان پر نمایاں اور ممتاز فوقیت رکھتا ہے۔ اور ایک سعید الفطرت انسان کے لئے تو اس کے سوا چارہ ہی نہیں۔ کہ وہ ان امور کا مشاہدہ کر کے بے اختیار پکار اُٹھے۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد و بارک وسلم انک حمید مجید

نعت

(ازجناب ڈاکٹر منظور احمد صاحب منظور بھیروی قادیان)

طشتِ قرطاس میں رکھ اِدھر اُدھر کے ٹکڑے
نذر کرنے کو میں لایا ہوں جگر کے ٹکڑے

میں کبھی وصفِ پیمبرؐ جو رقم کرتا ہوں
جھاڑ دیتا ہے قلم لعل و گہر کے ٹکڑے

کیوں نہ میں نامِ محمدؐ پہ نچھاور کر دوں
کام آجائیں میرے دل کے جگر کے ٹکڑے

تشنہ لب ہوں مجھے اے ساقئ کوثر بھر دے
مئے عرفاں سے مرے کاسۂ سر کے ٹکڑے

دعوتِ عام تو ہے سیر مجھے بھی کر دے
کھاتا ہے سارا زمانہ ترے گھر کے ٹکڑے

تابِ نظارہ کہاں نور کا تڑکا ہوتے
ہو گئے سینکڑوں ہر شمع سحر کے ٹکڑے

پایا اکسیر تری قوتِ قدسی کا اثر!
تھے جو فولاد کے دل ہو گئے زر کے ٹکڑے

جزو دل بن کے رہیں دل میں جو گڑ جاتے ہیں
کب نکلتے ہیں تیرے تیرِ نظر کے ٹکڑے

سامنے مہرِ منوّر کے ستارے کیا ہیں!
کر دیئے شمسِ ہدایت نے قمر کے ٹکڑے

کیا مخالف کو جلانے میں مزا آتا ہے
دل ہمارے ہیں کہ سینوں میں اگر کے ٹکڑے

نارِ دوزخ سے ہے منظورؔ مجھے کیا خطرہ
سرد کر دیں گے مرے دامنِ تر کے ٹکڑے

زبردست حقائق کا انکشاف

ہستی باری تعالیٰ کے متعلق غیر متزلزل اور یقینی دلائل

یعنے

کتاب مذہب اور سائنس حصہ اول

(جس میں)

آٹھ سال کے لمبا عرصہ کی تحقیق کے بعد فلاسفہ اور سائنس دانوں کے زبردست اعتراضات اور ان نظریوں کو رد کیا گیا ہے۔ جن کی بنا پر آج دنیا مادہ پرستی اور دہریت کی رو میں بہی جا رہی ہے۔ اور امام وقت کو نہیں پہچانتی۔ نیز اس کتاب میں خدا تعالےٰ کی ہستی۔ اور دنیا کے آخری مذہب یعنی احمدیت کے اثبات میں ایسے یقینی دلائل اور سائنس و فلسفہ کی رو سے ناقابل انکار شواہد پیش کئے گئے ہیں کہ ہر مذہب و ملت کے نو تعلیم یافتہ لوگ۔ گریجوایٹ اور ان کے زیر اثر جو لوگ خدا تعالےٰ اور مذہب کے متعلق شکوک و شبہات رکھتے ہوں وہ اس کتاب کے مطالعہ سے مجبور ہو جاتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی روشنی میں زندہ خدا پر ایمان لے آئیں۔

دنیا کی موجودہ ضلالت کے اسباب زیادہ تر مغربی محققین اور فلاسفہ کی گمراہ کن تعلیم اور غلط نظریے ہیں۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے جو کہ تبلیغ میں روک بن رہا ہے اس کے مقابلہ کے لئے دلائل و شواہد سے مسلح ہونا ہمارا فرض ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اس زمانہ میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی سے اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح صلح جوئی کی حاجت نہیں۔ بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے جیسا کہ وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ عنقریب اس لڑائی میں دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہو گا اور اسلام فتح پائیگا" (آئینہ کمالات اسلام صفحہ ۲۴۴)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے مطابق خود سائنس اور فلسفہ کی رو سے ایسے حقائق دستیاب ہو گئے ہیں۔ اور حال کے علوم مخالفہ کی ایسی جہالتیں اور غلطیاں ظاہر ہوئی ہیں کہ جنہیں ان مغربی محققین اور سائنس دانوں نے اب تک پوشیدہ رکھ کے خطرناک بد دیانتی اور علم دشمنی کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ غرض ان کے انکشافات کے ذریعہ تبلیغ کا ایک نیا راہ کھل گیا ہے اس لئے کتاب "مذہب اور سائنس" حصہ اول کا مطالعہ کرنا اور اس کی اشاعت کرنا انشاء اللہ تعالےٰ بہت مفید ثابت ہوگا۔ ہدیہ صرف پانچ آنے۔ ملنے کا پتہ:- **سلطان برادرز۔ قادیان**

خضاب دلپذیر

پانچ منٹ میں سفید بالوں کو سیاہ کر دیتا ہے۔ قیمت فی شیشی ۶ر۔ تین شیشی ایک روپیہ۔ چھ شیشی دو روپے اور بارہ شیشی ساڑھے تین روپے محصول ڈاک ایک سے چھ شیشی تک ۸ر اور بارہ شیشی تک ۱۲ر بذمہ خریدار

مینجر شفاخانہ دلپذیر قادیان ضلع گورداسپور

پیدائش کی مشکل گھڑیاں

بفضل خدا آسان کر دینے والی اکسیر تسہیل ولادت کے استعمال سے بچہ نہایت آسانی سے پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بچہ کی دردوں کے لئے بھی نہایت مفید دوا ہے۔ قیمت مع محصول ڈاک ۱۲ر

مینجر شفاخانہ دلپذیر قادیان ضلع گورداسپور

اشتہار زیر دفعہ ۵ رول ۲۰ مجموعہ ضابطہ دیوانی

بعدالت جناب چوہدری محمد عظیم صاحب نائب تحصیلدار باختیارات سپیشل سب جج بہادر

درجہ چہارم ڈلہوزی ضلع گورداسپور

دعویٰ دیوانی ۲۳ ۱۹۴۱ء

دعویٰ مبلغ ۲۲/-/-

بمقدمہ شیخ فضل الدین ولد شیخ نور الٰہی قوم شیخ ساکن ڈلہوزی ضلع گورداسپور

بنام

مسٹر ایچ بی اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر جنرل لاہور

مقدمہ مندرجہ عنوان بالا میں مسمی مسٹر ایچ بی مذکور تعمیل سمن سے دیدہ دانستہ گریز کرتا ہے۔ اور روپوش ہے۔ اس لئے اشتہار ہذا بنام مسٹر ایچ بی مذکور جاری کیا جاتا ہے۔ کہ اگر مسٹر ایچ بی مذکور بتاریخ ۱۲ ماہ اپریل ۱۹۴۱ء کو مقام ڈلہوزی حاضر عدالت ہذا میں نہیں ہوگا۔ تو اس کی نسبت کارروائی یکطرفہ عمل میں لائی جاوے گی۔

آج بتاریخ ۳۱ مارچ ۱۹۴۱ء کو بدستخط میرے اور مہر عدالت کے جاری ہوا۔

(مہر عدالت) (دستخط حاکم)

طبیہ عجائب گھر قادیان کے متعلق تازہ شہادت

جناب میاں محمد شریف صاحب ای۔ اے سی (ریٹائرڈ) تحریر فرماتے ہیں "میں نے طبیہ عجائب گھر قادیان کی ادویہ میں سے چند ایک مثلاً خمیرہ گاؤزبان عنبری جواہر والا و عرق گلاب وغیرہ کا استعمال کیا ہے۔ اور ان کو بہت مفید پایا ہے میں بڑی خوشی سے اس بات کی تصدیق کرتا ہوں۔ کہ طبیہ عجائب گھر میں نہایت اعلیٰ درجہ کی ادویہ خالص اجزاء سے تیار کی ہوتی ارزاں قیمت پر مل جاتی ہیں طبیہ عجائب گھر کے پروپرائٹر خان عبد العزیز خان کی یہ خدمت جو وہ خلق خدا کی کر رہے ہیں قابل قدر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کے کام میں برکت دے۔ میں احباب سے پُر زور سفارش کرتا ہوں کہ خالص اور اعلیٰ ادویہ کے لئے یہ بہترین اور قابل اعتبار دواخانہ ہے"

فقط خاکسار:- محمد شریف۔ ای۔ اے۔ سی پنشنر ۱۹ دسمبر ۱۹۴۰ء

قادیان میں باموقعہ سکنی اراضی

اب جبکہ مجلس مشاورت قریب آرہی ہے احباب کی اطلاع کیلئے اعلان کیا جاتا ہے۔ کہ اس وقت قادیان کے محلہ جات دارالرحمت و دارالیسر و دارالوداد و دارالبرکات میں اچھے موقعہ کے عمدہ عمدہ قطعات قابل فروخت موجود ہیں جنکی قیمت حسب موقعہ علیحدہ علیحدہ مقرر ہے۔ جو فی الجملہ پندرہ روپیہ فی مرلہ سے لیکر پینتیس ۳۵ روپیہ فی مرلہ تک ہے مجلس مشاورت کے موقعہ پر گذشتہ جلسہ سالانہ والی رعایت بھی جو سوا چھ فی صدی تھی دی جائیگی۔ مگر یہ رعایت صرف نقد اور یکمشت قیمت ادا کرنے والوں کو ملے گی۔ یہ رعایت ۱۰ اپریل ۱۹۴۱ء بروز جمعرات سے لے کر ۱۲ اپریل ۱۹۴۱ء بروز سوموار تک رہے گی۔ خواہشمند احباب اس موقعہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ والسلام

خاکسار **مرزا بشیر احمد قادیان**

عبدالرحمٰن قادیانی پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھاپا۔ اور قادیان سے ہی شائع کیا۔ ایڈیٹر:۔ غلام نبی۔